ولٰکن شُبّہ لہم

اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ

297.86
ان: و - 7
C.D-19595

ولٰکن شُبِّہَ لَہُم

ایچ - ایم - طارق

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	لدھیانوی صاحب کے کتابچہ کے متعلق ایک عمومی جائزہ	۱
۲	(۱) عقیدہ حیاتِ مسیح کے متعلق لدھیانوی صاحب کے دعوئے اجماعِ اُمّت کی حقیقت ۔	۲
۳	(۲) نزولِ مسیح کے متعلق لُدھیانوی صاحب کا ایک حوالہ اور اس کا جواب ۔	۲۱
۴	(۳) حضرت امام مالکؒ کے عقیدہ وفاتِ مسیح پر اعتراض اور اس کا جواب	۲۴
۵	(۴) حضرت امام ابنِ حزم کے عقیدہ وفاتِ مسیح کے متعلق اعتراض اور اس کا جواب	۲۶
۶	(۵) وفاتِ مسیح کے متعلق حضرت ابنِ عباسؓ کے قول پر اعتراض کا جواب	۳۱
۷	(۶) علامہ عبید اللہ سندھی کی تفسیر الہام الرحمان کے متعلق اعتراض کا جواب	۳۶
۸	(۷) عرب، مصر اور ہندوستان کے ایک درجن سے زائد علماء کا عقیدہ وفاتِ مسیحؑ حجت نہ ہونے کے متعلق اعتراض کا جواب	۳۸
۹	(۸) حیاتِ مسیحؑ کے عیسائی عقیدہ کو اسلامی عقیدہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش اور اس کا جواب	۳۹

© 1991 ISLAM INTERNATIONAL PUBLICATIONS LTD.

Published by:
Islam International Publications Limited
Islamabad
Sheephatch Lane, Tilford,
Surrey GU10 2AQ U. K.

Printed by:
Raqeem Press
Islamabad, U. K.

ISBN 1 85372 415 7

۱۰	(۹) سادہ لوح عوام کو دھوکا دینے کی ایک اور کوشش	۴۳
۱۱	(۱۰) حیات و نزولِ عیسیٰؑ کے بارے میں پیش کردہ قرآنی آیات کا جواب	۴۴
۱۲	(۱۱) آیت یا عیسیٰ انی متوفیك ورافعك الیّ سے رفع جسمانی ثابت کرنے کی ناکام کوشش	۵۰
۱۳	(۱۲) قائلین وفاتِ مسیحؑ کا مقام کم تر ہونے اور ان کی تعداد معمولی ہونے کا اعتراض اور اس کا جواب	
۱۴	(۱۳) لُدھیانوی صاحب کا پیش کردہ علامہ ابن حجر عسقلانی کا ایک حوالہ اور اس کا جواب	۵۱ ۵۶
۱۵	وفاتِ مسیح کے متعلق قرآنِ کریم کی پہلی آیت	۶۳
۱۶	〃 〃 〃 〃 〃 دوسری آیت	۶۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

لُدھیانوی صاحب کے کتابچہ کے متعلق ایک عمومی جائزہ

مولوی محمد یُوسف لُدھیانوی صاحب کا ایک رسالہ "نزولِ عیسیٰ علیہ السّلام چند شبہات کا جواب" نظر سے گزرا جو موصوف نے ایک ایسے "سیدھے سادھے مسلمان" کے مکتوب کے جواب میں لکھا ہے جن کا احمدیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ مگر وفاتِ عیسیٰ علیہ السّلام کے قائل ہیں۔ چنانچہ سائل نے اپنے خط کے آغاز میں ہی لکھا ہے کہ "کئی محققینِ اُمّت وفاتِ مسیح علیہ السّلام کے قائل ہیں"، جناب لُدھیانوی صاحب نے جوابی رسالہ میں اپنی تمام تر کوشش اور سعی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے زندہ ثابت کرنے کے لیے کی ہے۔ وہ اس میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں، اس کا اندازہ آپ کو آئندہ سطور سے ہو جائے گا۔ کیونکہ مُردے کو زندہ ثابت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ بالخصوص بیسیویں صدی کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں ایک عام انسان بھی ایسے دقیانوسی اور بودے عقیدہ کو قبول کرنیکے لیے آمادہ نہیں ہو سکتا، کجایہ کہ اہلِ علم و عقل جن کی فراست نورِ قرآن اور نورِ مصطفویؐ سے منوّر ہو، یہ عقیدہ رکھیں۔

حیاتِ مسیح کا عقیدہ ابتدائی صدیوں میں عیسائی نومسلموں کے ذریعہ اسلام میں داخل ہوا، اور نزولِ مسیح کی پیشگوئی کے پسِ منظر میں بہت سے جیّد علماء بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ یہاں تک کہ مرورِ زمانہ سے یہ عقیدہ اتنا راسخ ہوا کہ اصل الاصول سمجھا جانے لگا اور اس کے منکرین پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ بایں ہمہ ہر دَور میں ایسے علماء بھی پیدا ہوتے رہے جو اپنے نورِ فراست کے باعث اس عقیدہ کو ردّ کرتے رہے اور

قرآن و حدیث سے اس کے خلاف استنباط فرماتے رہے لیکن اب تو زمانے کے رنگ ہی بدل چکے ہیں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس ناقابلِ فہم عقیدہ سے بیزار ہو چکی ہے۔

لدھیانوی صاحب نے وفاتِ مسیح کے قائل، سائل کو جو طفل تسلیاں دینے کی کوشش کی ہے اس کے نمبروار تجزیہ سے صاف روشن ہو جائے گا کہ وہ اس عقیدہ میں کس قدر غلطی پر ہیں۔

①

لدھیانوی صاحب تمہید میں فرماتے ہیں :۔

> ”حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی حیات اور دوبارہ تشریف آوری کا عقیدہ اختلافی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے لے کر مجددالف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی تک تمام اُمّت کا اجماعی اور متفق علیہ عقیدہ ہے“

(رسالہ مذکورہ صفحہ ۲)

حیرت ہے کہ لدھیانوی صاحب ایسے اصل الاصول مسئلہ کے لیے قرآن اور سنّت اور حدیثِ رسولؐ کو چھوڑ کر علماء کے نام نہاد اجماع کا رُخ کر رہے ہیں۔ جس سے اُن کے مؤقف کی کمزوری صاف عیاں ہے۔

جنابِ والا!! اگر آپ کا مؤقف ایسا ہی مضبوط ہے تو قرآن و حدیث سے بات شروع کی ہوتی۔ آپ نے تو بگڑی ہوئی تاریک صدیوں میں غلط فہمی سے رواج پانے والے ایک کج عقیدہ کو اجماع کا نام دے دیا۔ اس اجماع کا پول تو ہم کھولیں گے ہی اور روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیں گے کہ آپ نے اس عقیدہ پر اجماع کی تعلّی کر کے کیسی ناحق جسارت کی ہے لیکن آپ اتنا تو فرمایئے کہ کیا آپ قرآن کو علماء کے اجماع پر مقدّم نہیں سمجھتے؟ کیا عالمِ دین ہونے کا دعوےٰ رکھنے کے باوجود آپ کو اتنی بھی خبر نہیں کہ اجماع کی بحث تو

اٹھتی ہی اس وقت ہے جب قرآن اور حدیث کی نصوصِ صریحہ قطعی فیصلہ میں ممد نہ ہو سکیں، پھر کیوں قرآن کو اوّلیت نہیں دیتے۔ نیز کیا قرآنِ حکیم پر ہی سب اُمّت کا اجماع نہیں ہے۔ لیکن ہم خوب سمجھتے ہیں کہ یہ آپ کی مجبوری ہے۔ کیونکہ قرآن میں حیاتِ مسیح کی تائید میں ایک بھی آیت موجود نہیں جبکہ اس کے برعکس ایسی متعدّد آیات ہیں جن سے قطعی طور پر وفاتِ مسیح ثابت ہوتی ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایسے متعدّد فرمودات بھی ہماری راہنمائی کر رہے ہیں جن سے وفاتِ مسیحؑ قطعی طور پر مستنبط ہوتی ہے لیکن ایک بھی حدیث ایسی دکھائی نہیں دیتی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہو کہ مسیح علیہ السّلام فوت نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔

جہاں تک آپ کے نام نہاد اجماعِ اُمّت کا تعلق ہے اس کا یہ حال ہے کہ متعدّد بزرگانِ سلف و علمائے اُمّت وفاتِ مسیح کے ہمیشہ قائل رہے اور قائل ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے نزول کو استعارہ کا رنگ دیتے ہیں۔ مگر ہمیں حیرت اور تعجّب اس پر ہے کہ آپ نے اس عظیم الشان اجماع سے کیوں آنکھیں بند کر لیں۔ جو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی وفات کے معًا بعد ہوا۔ اسلام کے اس پہلے اجماعِ صحابہ کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں جگہ دی ہے۔ اور تین اسناد کے ساتھ مختلف مقامات پر تبکرار اس کا ذکر کیا ہے۔ تفصیل اس عظیم الشان اجماع کی یہ ہے کہ وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فوت نہیں ہوئے۔ اور آپ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم مجھے اس بات پر دلی یقین تھا کہ حضورؐ کی وفات نہیں ہوئی اور آپ ضرور ہمارے اندر دوبارہ تشریف لائیں گے۔

اسی دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تشریف لائے آپؓ نے نبی کریم صلیّ اللہ علیہ وسلّم کے جسدِ اطہر کی زیارت کی آپؐ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور عرض کیا! میرے ماں باپ آپؐ

پر قربان آپؐ زندہ ہونے کی حالت میں بھی پاک تھے اور آپؐ کو موت بھی اسی حال میں آئی۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں کرے گا پھر آپؓ نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا اے قسمیں کھانے والے ٹھہر جا!! اور پھر آپؓ نے ایک زبردست مدلّل تقریر فرمائی جس پر تمام صحابہؓ جو کثیر تعداد میں موجود تھے آپؓ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپؓ نے اللہ تعالےٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا:۔

"اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ آپؐ وفات پا گئے ہیں اور جو شخص خدا کی عبادت کرتا تھا وہ یقین رکھے کہ ہمارا خدا زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی"۔

پھر آپؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ

(سورۃ آلِ عمران : ۱۴۵)

کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی تو ہیں اور آپؐ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ لہٰذا آپؐ کی وفات کوئی اچنبھہ نہیں ہے۔ اس پر لوگ بے اختیار ہو کر رونے لگے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ، فرمایا کرتے تھے کہ جونہی حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت پڑھی مَیں تو سخت دہشت زدہ اور حیران ہو کر رہ گیا۔ میری ٹانگیں میرے وجود کا بوجھ اٹھانے سے قاصر رہ گئیں۔ اور مَیں زمین پر گر پڑا۔ خدا کی قسم! ایسے لگتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کی اس آیت کی تلاوت سے قبل لوگوں کو اس کا علم ہی نہ تھا۔ اور آپؓ سے سُن کر لوگوں نے یہ آیت پڑھنا شروع کر دی حتّٰی کہ مدینہ کے ہر شخص کی زبان پر یہی آیت تھی۔

(بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکتاب الجنائز
باب الدخول علی المیت وکتاب المناقب باب مناقب ابی بکر)

لدھیانوی صاحب!

اَب فرمایئے کہ آپ اس عظیم الشان اجماعِ صحابہؓ کا کس طرح انکار کریں گے۔ اگر کسی ایک صحابی کا بھی یہ عقیدہ ہوتا کہ حضرت مسیح ناصریؑ زندہ آسمان پر موجود ہیں تو وُہ حضرت ابوبکرؓ کے تمام نبیوں کی وفات کی قرآنی دلیل کو بڑی قوت سے ردّ کرتا اور اعلان کرتا کہ چونکہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام زندہ آسمان پر موجود ہیں اور اسی پر ہمارا اجماع ہے لہٰذا ابوبکرؓ کی یہ دلیل بالکل غلط اور بے حقیقت ہے کہ چونکہ سب گزشتہ انبیاء فوت ہو چکے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی فوت ہونا تھا۔

صحیح بخاری، اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے مسلّم الثبوت اس عظیم الشان اجماع کا منکر کون ہو گا؛ اس کا فیصلہ ہم لدھیانوی صاحب پر نہیں، ہر صاحب بصیرت پر چھوڑتے ہیں۔

آپ کے نام نہاد اجماعِ اُمّت کو اس صحیح بخاری کی ایک حدیث نے پارہ پارہ کر دیا اور ہمیشہ کے لیے اس کا سر توڑنے کے لیے اس پر یہ آیت نگران رہے گی کہ

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ"

(آلِ عمران : ۱۴۵)

ترجمہ:۔ اور محمدؐ صرف ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔

پس جناب مولوی صاحب! ہم ابوبکرؓ کے رنگِ استدلال میں ہی گزارش کرتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو معبود بنا رکھا ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ قرآن کی رو سے اُن کا یہ خُدا فوت ہو چکا ہے۔

پھر بھی آپ کی مزید تسلّی کے لیے چند بزرگانِ اُمّت کے حوالے پیش کرتا ہوں جن میں سے ہر ایک آپ کے اجماع کی تعلّی کی قلعی کھول رہا ہے۔

۱۔ حضرت امام حسنؓ مسیحؑ کے جسمانی رفع کے خلاف اور روحانی رفع وطبعی موت کے قائل تھے

ابنِ سعد نے الطبقات الکبریٰ میں حضرتِ علی کرم اللہ وجہہٗ کی وفات کے بارہ میں حضرت امام حسنؓ کا یہ قول نقل کیا ہے :۔

”وَلَقَدْ قُبِضَ فِی اللَّیْلَۃِ الَّتِیْ عُرِجَ فِیْھَا بِرُوْحِ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ
لَیْلَۃَ سَبْعٍ وَعِشْرِیْنَ مِنْ رَمَضَانَ

(الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد - المجلد الثالث - فی البدریین من المھاجرین والانصار ص۳۹
دار بیروت للطباعۃ والنشر)

ترجمہ :۔ ”اور حضرتِ علیؓ کی رُوح اس رات قبض کی گئی جس رات میں عیسٰی بن مریم کی روح مرفوع ہوئی تھی یعنی ۲۷ رمضان کی رات“

مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ وفاتِ مسیح کے قائل ہیں ! امام بخاری نے ان کا یہ مذہب اپنی صحیح میں یوں نقل کیا ہے۔

۲۔ ”قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّیْکَ مُمِیْتُکَ“

(بخاری کتاب ”التفسیر - سورۃ المائدۃ)

یعنی ابن عباسؓ آیت یَاعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ ..... الخ کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اے عیسٰی میں تجھے وفات دینے والا ہوں۔ (یعنی قائلین حیات مسیح کی طرح توفّی کے معنے آسمان پر اٹھانے کے نہیں کرتے)

۳۔ حضرت جارود بن معلّٰی صحابیٔ رسول نے وفاتِ رسولؐ کے بعد اپنے ایک خطبہ میں وفاتِ عیسٰی کا جو اعلان کیا۔

علامہ محمد بن عبدالوہاب اپنی کتاب ”مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم“ میں اس کا یوں ذکر فرماتے ہیں۔

”اَنَّہٗ قَالَ : مَا شَھَادَتُکُمْ عَلٰی مُوْسٰی ؟ قَالُوْا : نَشْھَدُ اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔
قَالَ : فَمَا شَھَادَتُکُمْ عَلٰی عِیْسٰی ؟ قَالُوْا : نَشْھَدُ أَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ
وَأَنَا أَشْھَدُ أَنْ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
عَاشَ کَمَا عَاشُوْا وَمَاتَ کَمَا مَاتُوْا۔“

(”مختصر سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم“ لشیخ الاسلام ، الامام مجدد القرن الثانی عشر محمد بن عبدالوہاب ص۱۸۷
دار العربیۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت لبنان ص. ب ۸۹-۲۰ بیروت لبنان)

۳۔ ترجمہ :۔ جارود بن معلّٰیؓ نے کہا ! اے لوگو ! موسیٰؑ کے بارے میں تم کیا گواہی دیتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول تھے۔ حضرت جارود نے پھر پوچھا کہ عیسیٰؑ کے بارے میں تمہاری کیا گواہی ہے انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے کہ وہ اللہ کے رسول تھے اس پر حضرت جارود بن معلّٰی نے فرمایا اور مَیں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول تھے۔ وہ اسی طرح زندہ رہے جس طرح پہلے رسول زندہ رہے اور اُسی طرح وفات پا گئے جس طرح پہلے رسولوں نے وفات پائی۔

۴۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ علامہ شیخ محمد طاہر اپنی تصنیف مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں :۔

”وَالْاَکْثَرُ اَنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَقَالَ مَالِکٌ مَاتَ“

(مجمع بحار الانوار ص۲۸۶ زیر مادہ حکم مطبع لنشی نول کشور)

یعنی اکثر لوگوں کا تو یہی مذہب ہے کہ عیسٰی نہیں مرے لیکن امام مالکؒ کہتے ہیں کہ وہ فوت ہو گئے۔

۵۔ مشہور شیعہ عالم و بزرگ علّامہ قمی المتوفی ۳۸۱ھ وفاتِ مسیح کے قائل ہیں آپ اپنی کتاب

"اکمال الدین واتمام النعمة فی اثبات الرجعة" میں فرماتے ہیں:۔

"وَلَمْ یَقْدِرُوْا عَلٰی قَتْلِهٖ وَصَلْبِهٖ لِاَنَّهُمْ لَوْ قَدَرُوْا عَلٰی ذَالِكَ
كَانَ تَكْذِیْبًا بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَلٰكِنْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ بَعْدَ اَنْ تَوَفَّاهُ"

(اکمال الدین واتمام النعمة فی اثبات الرجعة ۔ للشیخ الاقدم والمحدث الاکبر ابی جعفر الصدوق محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ القمی المتوفی سنہ ۳۸۱ھ صـ۲۱۹ ۔ المطبعة الحیدریة ۔ النجف۔)

ترجمہ:۔ اور وہ (یعنی یہودی) مسیح کے قتل اور ان کو صلیب دینے پر قدرت نہ پا سکے کیونکہ اگر وہ اس پر قادر ہو جاتے تو اللہ کی بات جھوٹی نکلتی لیکن اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السّلام کو طبعی طور پر وفات دی اور اس کے بعد اُن کو روحانی رفعت عطا فرمائی ۔

۶ ۔ مشہور شیعہ عالم علامہ جبائیؒ وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔

علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان میں زیر آیت فَلَمَّا توفیتنی .... الخ فرماتے ہیں:۔

(فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ) اَیْ قَبَضْتَنِیْ اِلَیْكَ وَاَمَتَّنِیْ عَنِ الْجَبَائِیْ"

(مجمع البیان فی تفسیر القرآن لمؤلفہ الشیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی ۔ الجز الثالث صـ۲۶۹ ۔ احیاأ التراث العربی ۔ بیروت لبنان)۔

ترجمہ:۔ جب تُو نے مجھے وفات دے دی اور طبعی موت دی ۔ یہ معنے علامہ جبائیؒ نے کئے ہیں۔

۷ ۔ علامہ ابن تیمیہ "اپنی تصنیف مجموعة الرسائل الکبریٰ" میں وفاتِ مسیح کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

"وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ هٰذَا الَّذِیْ فِی التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ مِنَ الْخَبَرِ عَنْ مُوْسٰی
وَعِیْسٰی بَعْدَ تَوَفِّیْهِمَا لَیْسَ هُوَ مِمَّا اَنْزَلَهُ اللّٰهُ وَمِمَّا تَلَقَّوْهُ عَنْ
مُوْسٰی وَعِیْسٰی"

(الجزء الاول من مجموعة الرسائل الکبریٰ" تالیف ۔ شیخ الاسلام تقی الدین ابی العباس احمد بن عبد الحلیم ابن عبد السلام

بن تیمیة الحرانی الدمشقی المتوفی سنة ۷۲۸ھ صـ۸ وصـ۹ ۔ الطبعة الاولیٰ سنة ۱۳۲۳ھ بالمطبعة العامرة الشرفیة بمصر علی نفقة شرکة طبع الکتب العلمیة بمصر)

ترجمہ:۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ تورات اور انجیل میں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السّلام دونوں حضرات کی وفات کے بعد کے جو حالات تحریر ہیں وہ اللہ تعالےٰ کا نازل کردہ کلام نہیں اور نہ ہی ایسا کلام ہے کہ جس کو ان اہلِ کتاب نے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السّلام سے اخذ کیا ہو (کیونکہ اس کا تعلق ان کی وفات کے بعد کے حالات سے ہے)

۸ ۔ علامہ ابنِ قیمؒ "زاد المعاد" میں مسیح علیہ السّلام کے جسمانی رفع کے عقیدہ کا ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"وَاَمَّا مَا یُذْكَرُ عَنِ الْمَسِیْحِ اَنَّهُ رُفِعَ اِلَی السَّمَآءِ وَلَهُ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ
سَنَةً، فَهٰذَا لَا یُعْرَفُ لَهُ اَثَرٌ مُتَّصِلٌ یَجِبُ الْمَصِیْرُ اِلَیْهِ"

("زاد المعاد فی ھدی خیر العباد" لابن القیم الجوزیہ ۔ الامام المحدث المفسر الفقیہ شمس الدین ابی عبد اللہ محمد بن ابی بکر الزرعی الدمشقی (۶۹۱ ۔ ۷۵۱ھ) الجزء الاول صـ۸۴ موسسة الرسالة ۔ بیروت شارع سوریا۔)

ترجمہ:۔ اور یہ جو مسیح کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ آسمان پر اٹھا لیے گئے جبکہ ان کی عمر ۳۳ برس تھی، اس کی کوئی ایسی سندِ متصل موجود نہیں جس کی بناء پر اس قول کو قبول کیا جائے ۔

۹ ۔ آٹھویں صدی کے علامہ ابنِ حیّان نے اپنی تفسیر بحر المحیط میں اور بارھویں صدی کے علامہ شوکانی نے اپنی تفسیر فتح القدیر میں بعض علماء سے توفیٰ کے معنی موت نقل کر کے ان کے وفاتِ مسیح کے قائل ہونے کا ذکر کیا ہے ۔

"فَقِیْلَ هٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ تَوَفَّاهُ قَبْلَ اَنْ یَرْفَعَهٗ"

I بحر المحیط جز رابع صـ۶۱ ناشر مکتبہ ومطابع النصر الحدیثة ۔ ریاض ۱۳۵۰ھ

II تفسیر فتح القدیر للعلامہ شوکانی الجزء الثانی صـ۹ مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی مصر

یعنی یہ کہا گیا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کو رفع سے پہلے وفات عطا فرمائی۔

۱۰۔ علامہ ابو مسلم اصفہانی وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔

علامہ رازی اپنی تفسیرِ کبیر میں زیرِ آیت وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ

(آل عمران آیت ۸۲)

میں فرماتے ہیں:۔

"(اَلْاَوَّلُ) مَا ذَكَرَهُ أَبُو مُسْلِمٍ الْاَصْفَهَانِي فَقَالَ: ظَاهِرُ الْآيَةِ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الَّذِينَ أَخَذَ اللّٰهُ الْمِيثَاقَ مِنْهُمْ يَجِبُ عَلَيْهِمُ الْإِيمَانُ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَبْعَثِهِ، وَكُلُّ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَكُونُونَ عِنْدَ مَبْعَثِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زُمْرَةِ الْأَمْوَاتِ"

(التفسیر الکبیر للامام الفخر الرازی الجزء الثامن ص۱۱۶، الطبعۃ الثانیۃ الناشر دار الکتب العلمیۃ طہران)

پہلی بات وہ ہے جس کا ذکر ابو مسلم اصفہانی نے کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا ظاہری مفہوم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں سے پختہ عہد لیا تھا ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپؐ پر ایمان لانا واجب ہے اور (امر واقعہ یہ ہے کہ) تمام انبیاء بعثت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت زمرۂ اموات میں ہوں گے"۔

۱۱۔ علامہ محی الدین ابن عربی مسیح کے جسمانی رفع کی تردید اور روحانی رفع کا ذکر کرتے ہوئے "بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"رَفْعُ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اِتِّصَالُ رُوحِهِ عِنْدَ الْمُفَارَقَةِ عَنِ الْعَالَمِ السِّفْلِيِّ بِالْعَالَمِ الْعُلْوِيِّ"

(تفسیر القرآن الکریم للشیخ الاکبر العارف باللہ العلامۃ محی الدین بن عربی المتوفی سنۃ ۶۳۸ھ ہجریۃ تحقیق وتقدیم الدکتور مصطفیٰ غالب المجلد الاول ص۲۹۶ دار الاندلس للطباعۃ والنشر والتوزیع۔ بیروت)

یعنی حضرت مسیحؑ کا رفع دراصل ان کی روح کے عالم سفلی سے جُدا ہو کر عالم علوی میں قرار پکڑنے کا نام ہے۔

یہاں یہ امر یاد رہے کہ

علامہ ابنِ عربی کا تعلق ان بزرگ صوفیاء سے ہے جنہوں نے مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی سے ان کا ایک دوسرے جسم کے ساتھ روحانی نزول مُراد لیا ہے۔

چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"وَلَمَّا كَانَ مَرْجِعُهُ إِلٰى مَقَرِّهِ الْأَصْلِيِّ وَلَمْ يَصِلْ إِلَى الْكَمَالِ الْحَقِيقِيِّ وَجَبَ نُزُولُهُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهِ بِبَدَنٍ آخَرَ"

(تفسیر ابن عربی حوالہ مذکور)

یعنی جب مسیح کا مرجع اپنی اصلی مقر کی طرف ہے اور ابھی وہ اپنے حقیقی کمال کو نہیں پہنچا لہٰذا آپ کا نزول آخری زمانہ میں ایک دوسرے جسم کے ساتھ تعلق کی صورت میں واجب ہے۔

یہی شہادت علامہ سراج الدین ابن الوردی (۷۴۹ھ) نے اپنی کتاب میں دی ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے یہی معنی سمجھتا رہا ہے۔ کہ وہ ایک اور وجود

میں متمثل ہوکر تشریف لائیں گے نہ کہ اپنے وجود کے ساتھ۔ اب کہاں گیا آپ کا اجماع؟ گزشتہ تیرہ صدیوں میں اس مزعومہ اجماع کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں۔

علامہ ابن الوردی کی شہادت ملاحظہ ہو۔

وَقَالَتْ فِرْقَةٌ نُزُوْلُ عِیْسٰی خُرُوْجُ رَجُلٍ یَشْبَہُ عِیْسٰی فِی الْفَضْلِ وَ الشَّرْفِ کَمَا یُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَیْرِ مَلَکٌ وَلِلشَّرِیْرِ شَیْطَانٌ تَشْبِیْھًا بِھِمَا وَلَا یُرَادُ الْاَعْیَانُ

(خریدۃ العجائب وفریدۃ الغرائب ص۲۶۳ تالیف سراج الدین ابوحفص عمر بن الوردی متوفی ۷۴۹ھ مصطفے البابی الحلبی مصر۔ الطبعۃ الثانیۃ)

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ نزول عیسٰی سے مُراد ایسے شخص کی آمد ہے جو فضیلت اور شرف میں عیسٰی سے مشابہ ہو جس طرح اچھے آدمی کو فرشتہ اور بُرے کو شیطان کہہ دیتے ہیں اور اس سے مُراد فرشتہ و شیطان نہیں بلکہ ان سے مشابہت ہوتی ہے۔

۱۲ ۔ امام ابن حزم وفاتِ مسیح کے قائل ہیں اپنی کتاب المحلّٰی میں فرماتے ہیں:۔

”وَاِنَّ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یُقْتَلْ وَلَمْ یُصْلَبْ وَلٰکِنْ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ رَفَعَہُ اِلَیْہِ“

(المحلّٰی للحافظ ابی محمد علی بن حزم الاندلسی الظاہری الجزء الاول ص۲۴ مطبعۃ الامام ۱۳۔ شارع قرقول المنشیہ بالقلعۃ بمصر)

یعنی عیسٰی علیہ السّلام نہ قتل ہوئے نہ صلیب پر مارے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دی پھر ان کو رفعت بخشی۔

۱۳ ۔ امام اکبر علامہ محمود شلتوت مفتی مصر نے ”الفتاویٰ“ میں نہایت شدّ ومد سے وفاتِ عیسٰی کا فتویٰ دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

”وَالْمَعْنٰی أَنَّ اللّٰہَ تَوَفّٰی عِیْسٰی وَرَفَعَہُ اِلَیْہِ وَطَھَّرَہُ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ....

.... وَقَدْ فَسَّرَ الْاَلُوْسِیُّ قَوْلَہُ تَعَالٰی ”اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ“ بِوُجُوْہٍ مِنْھَا۔ وَھُوَ اَظْھَرُھَا.. اِنِّیْ مُسْتَوْفِیْ أَجَلَکَ وَمُمِیْتُکَ حَتْفَ أَنْفِکَ لَا أُسَلِّطُ عَلَیْکَ مَنْ یَّقْتُلُکَ، وَھُوَ کِنَایَۃٌ عَنْ عِصْمَتِہٖ مِنَ الْاَعْدَاءِ وَمَا ھُمْ بِصَدَدِہٖ مِنَ الْفَتْکِ بِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ، لِأَنَّہٗ یَلْزَمُ مِنِ اسْتِیْفَاءِ اللّٰہِ أَجَلَہٗ وَمَوْتِہٖ حَتْفَ أَنْفِہٖ ذٰلِکَ“

”وَظَاھِرٌ أَنَّ الرَّفْعَ الَّذِیْ یَکُوْنُ بَعْدَ التَّوْفِیَۃِ۔ ھُوَ رَفْعُ الْمَکَانَۃِ لَا رَفْعُ الْجَسَدِ“ ـــ

”فَمِنْ أَیْنَ تُؤْخَذُ کَلِمَۃُ السَّمَاءِ مِنْ کَلِمَۃِ (اِلَیْہِ)؟ اَللّٰھُمَّ إِنَّ ھٰذَا لَظُلْمٌ لِلتَّعْبِیْرِ الْقُرْآنِیِّ الْوَاضِحِ خُضُوْعًا لِقِصَصٍ وَ رِوَایَاتٍ لَمْ یَقُمْ عَلَی الظَّنِّ بِھَا۔ فَضْلًا عَنِ الْیَقِیْنِ۔ بُرْھَانٌ وَلَا بِشِبْہِ بُرْھَانٍ“

(الفتاوی دراسۃ لمشکلات المسلم المعاصر فی حیاتہ الیومیۃ والعامۃ الامام الاکبر محمود شلتوت ص۶۳ ۔ دار الشروق)

ترجمہ:۔ علامہ محمود شلتوت آیت یاعیسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ..... الخ کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے عیسٰی کے ساتھ (یہ سب وعدے پورے کئے) ان کو وفات دی اور عزّت دی اور کافروں سے پاک کیا۔ پھر لکھتے ہیں علامہ الوسی نے اپنی تفسیر میں متوفیک کے کئی معنے کئے ہیں ان میں سے سب سے مضبوط معنی یہ ہیں کہ مَیں تیری عمر پوری کر کے تجھے طبعی موت سے وفات دوں گا اور مَیں تجھ پر ایسے لوگوں کو مسلط نہیں کروں گا جو تجھے قتل کر دیں اور دراصل یہ وعدہ

مسیح کی دشمنوں سے حفاظت اور مسیح کو ان کے ارادۂ قتل سے بچانے کا اشارہ اپنے اندر رکھتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مسیح کی عمر کو پورا کرنے اور موت سے طبعی وفات لازم آتی ہے۔

پھر رفع کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ رفع جو توفی کے بعد ہو سکتا ہے وہ رفعِ مرتبہ ہی ہے رفعِ جسمانی نہیں۔

پھر رفعِ سماوی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں "اِلَيْهِ" میں آسمان کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے) پھر جسمانی رفع کے قائلین کی طرف سے آسمان کا لفظ کہاں سے لیا جاتا ہے یقیناً یہ قرآن کے ایک واضح مفہوم کے ساتھ زیادتی ہے محض ایسے قصے اور ظنی روایات قبول کرتے ہوئے جن پر کوئی دلیل تو کیا دلیل کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں۔

۱۴ ۔ مفسرِ قرآن علامہ مفتی محمد عبدہ (قاہرہ) وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ آیت اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ (آلِ عمران) کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"فَاِنَّ هٰذِهٖ بَشَارَةٌ بِاِنْجَائِهٖ مِنْ مَكْرِهِمْ وَلَمْ يَنَالُوْا مِنْهُ مَا
كَانُوْا يُرِيْدُوْنَ بِالْمَكْرِ وَالْحِيْلَةِ ...... فَالْمُتَبَادِرُ فِي الْآيَةِ
اِنِّيْ مُمِيْتُكَ وَجَاعِلُكَ بَعْدَ الْمَوْتِ فِيْ مَكَانٍ رَفِيْعٍ كَمَا قَالَ فِيْ
اِدْرِيْسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔"

(تفسیر القرآن الحکیم للاستاذ محمد عبدہ جز ثالث ص۳۱۶ الطبعۃ الاولیٰ مطبعہ منار مصر ۱۳۲۵ھ)

پس یہ آیت مسیح کو یہود کی تدبیر اور حیلہ سے بچانے کے لیے بشارت ہے۔ اور یہ کہ جو تدبیر وہ مسیح کے خلاف کرنا چاہتے تھے اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ پس آیت کے اوّلین معنی یہی ہیں کہ (اے عیسیٰ) مَیں تجھے موت دینے والا ہوں اور موت کے بعد ایک عزت و رفعت والی جگہ میں رکھنے والا ہوں جس طرح حضرت ادریسؑ کے بارہ میں فرمایا کہ ہم نے اسے عزت والے مقام پر جگہ دی۔

۱۵ ۔ مفسر القرآن علامہ رشید رضا (قاہرہ) اپنی "تفسیر القرآن الحکیم" میں زیرِ آیت اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ (آل عمران) مسیح کی طبعی موت اور رفع روحانی کا یوں ذکر فرماتے ہیں:۔

(قَالَ) اَنَّ الْآيَةَ عَلٰى ظَاهِرِهَا وَاَنَّ التَّوَفِّيَ عَلٰى مَعْنَاهُ الظَّاهِرِ
الْمُتَبَادِرِ وَهُوَ الْاِمَاتَةُ الْعَادِيَةُ اَنَّ الرَّفْعَ يَكُوْنُ بَعْدَهٗ وَهُوَ
رَفْعُ الرُّوْحِ"

(تفسیر القرآن الحکیم الجزء الثالث ص۳۱۷ ۔ تالیف السید محمد رشید رضا منشی المنار۔ الطبعۃ الثانیہ ۔ اصدرتها دار المنار ۱۴ شارع الانشا قاہرہ بسنۃ ۱۳۶۶ھ)

ترجمہ:۔ اور دوسرا طریق یہ ہے کہ اس آیت کو اس کے ظاہری معنی پر مانا جائے اور توفّی کے ظاہری اور متبادر معنی تسلیم کیے جائیں جو کہ عام طبعی موت کے معنی ہیں اور یہ تسلیم کیا جائے کہ رفع اس موت کے بعد ہے اور اس سے مُراد روحانی رفع ہے۔

۱۶ ۔ مفسر القرآن علامہ احمد المصطفیٰ المراغی وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ وہ آیت انّی متوفیک کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

اِنَّ الْاٰيَةَ عَلٰى ظَاهِرِهَا وَاَنَّ التَّوَفِّيَ هُوَ الْاِمَاتَةُ الْعَادِيَةُ وَاَنَّ
الرَّفْعَ بَعْدَهٗ لِلرُّوْحِ .... وَالْمَعْنٰى اِنِّيْ مُمِيْتُكَ وَجَاعِلُكَ بَعْدَ الْمَوْتِ فِيْ
مَكَانٍ رَفِيْعٍ كَمَا قَالَ فِيْ اِدْرِيْسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔"

(تفسیر المراغی الاستاذ احمد مصطفی المراغی جز ثالث ص۱۶۹ مکتبہ الطبع مصطفی البابی الحلبی مصر)

یعنی آیت سے ظاہری معنی مُراد ہیں اور توفی سے طبعی موت مراد ہے اور اس موت کے بعد رفع سے روحانی رفع مُراد ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مَیں تجھے موت دینے والا

ہوں اور طبعی موت کے بعد بلند مقام میں رکھنے والا ہوں جس طرح حضرت ادریس علیہ السّلام کے بارہ میں آیت میں مذکور ہے کہ ہمنے ان کو بلند مقام پر رفعت دی۔

۱۷۔ علامہ ڈاکٹر محمد محمود حجازی (پروفیسر جامعہ ازہر) "تفسیر الواضح" میں اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کی تفسیر میں وفاتِ مسیح اس طرح ثابت فرماتے ہیں:۔

"مَکَرَ اللّٰہُ بِھِمْ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ أَجَلَكَ کَامِلًا وَلَنْ یَعْتَدِیَ عَلَیْكَ مُعْتَدٍ أَبَدًا فَھٰذِہٖ بَشَارَۃٌ لَّہٗ بِنَجَاتِہٖ مِنْ مَکْرِھِمْ وَتَدْبِیْرِھِمْ، وَرَافِعُكَ فِیْ مَکَانٍ اَعْلٰی، وَالرَّفْعُ رَفْعُ مَکَانَۃٍ لَا مَکَانٍ کَمَا قَالَ تَعَالٰی فِیْ شَأْنِ اِدْرِیْسَ عَلَیْہِ السَّلَامُ (وَرَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا) وَکَقَوْلِہٖ فِی الْمُؤْمِنِیْنَ (فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ)۔ فَلَیْسَ الْمَعْنٰی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِہٖ أَنَّ عِیْسٰی رُفِعَ إِلَی السَّمَآءِ وَأَنَّہٗ سَیَنْزِلُ آخِرَ الدُّنْیَا وَیَسْتَوْفِیْ أَجَلَہٗ ثُمَّ یَمُوْتُ"[1]

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے خلاف تدبیر کی جب اس نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! مَیں تیری کامل عمر پوری کروں گا۔ اور کوئی زیادتی کرنے والا تجھ پر اپنا دست دراز نہیں کر سکے گا۔ پس یہ مسیح علیہ السّلام کے لیے ان یہود کے مکروں اور تدبیروں سے نجات کی ایک بشارت تھی اور رَافِعُكَ میں اعلیٰ مقام میں رفعت مُراد ہے اور اس رفع سے مُراد مرتبے کا رفع ہے کسی جگہ پر جسمانی رفع ہرگز مُراد نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ادریس علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے وَرَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا۔ اور جیسا کہ مومنوں کے بارے میں فرمایا فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ پس رافعك کے معنی (واللہ اعلم) یہ نہیں ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا رفع آسمان کیطرف ہوا اور یہ کہ وہ دنیا کے آخر میں پھر اتریں گے اور اپنی مدّتِ عمر پوری کر کے وفات پائینگے

---

[1] التفسیر الواضح دکتور محمد محمود حجازی جامعۃ الازہر الجزء الاول ص۶۱ مطبعۃ الاستقلال الکبریٰ بالقاہرہ

۱۸۔ استاذ عبد الوہاب النجار وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ اپنی تصنیف قصص الانبیاء میں حضرت مسیح ناصری علیہ السّلام کے انجام کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"وَالَّذِیْ اَخْتَارُہٗ اَنَّ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ قَدْ اَنْجَاہُ اللّٰہُ مِنَ الْیَھُوْدِ فَلَمْ یَقْبِضُوْا عَلَیْہِ وَلَمْ یُقْتَلْ وَلَمْ یُصْلَبْ وَاَنَّ الْوَجْہَ الثَّانِیَ وَھُوَ: اَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْآیَۃِ اَنِّیْ مُسْتَوْفٍ اَجَلَكَ وَ مُمِیْتُكَ حَتْفَ اَنْفِكَ لَا اُسَلِّطُ عَلَیْكَ مَنْ یَّقْتُلُكَ وَاَنَّ الْآیَۃَ کِنَایَۃٌ عَنْ عِصْمَتِہٖ مِنَ الْاَعْدَاءِ ھُوَ الْوَجْہُ الْوَجِیْہُ الَّذِیْ یَجِبُ اَنْ یُّصَارَ اِلَیْہِ۔

(قصص الانبیاء ص۴۲۳ تالیف عبد الوہاب نجار الطبعۃ الثالثہ دار احیاء التراث العربی شارع سوریا۔ بیروت)

حضرت مسیح ناصری علیہ السّلام کے بارہ میں مختلف آراء کا ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ وہ مؤقف جو مَیں اختیار کرتا ہوں یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہود سے نجات دی اور وہ آپ پر قدرت نہ پا سکے اور آپ کو قتل نہ کر سکے نہ ہی صلیب دے سکے نیز یہ کہ مذکورہ معانی میں سے توفی کے یہ دوسرے معنی ہی دراصل مراد ہیں کہ مَیں تیری مدّتِ عمر کو پورا کرنے والا ہوں اور تجھے طبعی موت دینے والا ہوں اور تجھ پر ہرگز ایسے لوگوں کو مسلط نہیں کروں گا جو تجھے قتل کر دیں۔ اور یہ کہ آیت مُتَوَفِّیْكَ مسیح کو ان کے دشمنوں سے بچانے کے لیے کنایہ ہے۔ یہی دراصل وہ مضبوط معنی ہیں جو اختیار کرنے چاہئیں۔

۱۹۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب (چاچڑاں شریف والے) وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ اشاراتِ فریدی میں لکھا ہے:۔

"سخن در رفع حضرت عیسیٰ علیہ السلام افتاد۔ یکی از حضار عرض کرد کہ قبلہ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام باین جسدِ عنصری مرفوع شدہ اند یا بعد موت عرفی روح پاک اوشاں مرفوع گردیدہ است۔ حضور فرمودند کہ ہمچوں دیگر انبیاء و اولیاء مرفوع گشتہ اند"

(اشاداتِ فریدی حصہ چہارم صـ۱۳۶ در مطبع رفیق عام لاہور ۱۳۴۶ھ)

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے رفع کے بارہ میں بات چل پڑی۔ حاضرین مجلس میں سے ایک نے عرض کیا کہ قبلہ! حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا اس ظاہری جسم کے ساتھ رفع ہوا یا طبعی موت کے بعد آپ کی پاک روح کو رفع و منزلت عطا ہوئی۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ دیگر انبیاء و اولیاء کی طرح ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی رفع ہوا ہے۔ یعنی روحانی رفع۔

۲۰۔ علاّمہ عبید اللہ سندھی "الہام الرحمان فی تفسیر القرآن" (اردو ترجمہ) میں فرماتے ہیں: ۔

"مُمِیتُکَ تجھے مارنے والا ہوں۔ یہ جو حیاتِ عیسیٰ لوگوں میں مشہور ہے یہ یہودی کہانی نیز صابی من گھڑت کہانی ہے"

(الہام الرحمان فی تفسیر القرآن سورۃ الفاتحہ تا سورۃ المآئدۃ از مجددِ اعظم امام انقلاب علاّمہ مولانا عبید اللہ سندھی صـ۲۴۰۔ ناشر علامہ مولانا محمد معاویہ۔ ادارہ بیت الحکمۃ للامام ولی اللہ الدہلوی۔ کبیر والہ۔ ضلع ملتان جھنگ روڈ)

۲۱۔ نواب اعظم یار جنگ وفاتِ مسیح کے قائل ہیں آپ تحریر فرماتے ہیں: ۔

"حضرت عیسیٰؑ یقیناً مر گئے جس کی خبر قرآنِ مجید میں دوسری جگہ دی گئی ہے

اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ (اٰل عمران: ۴۸)

جس کی تفسیر میں مفسرین نے بہت کچھ پس و پیش کیا ہے۔ بلکہ اس کو بالکل اُلٹ دیا ہے وہ یوں پڑھتے ہیں رافعك الیّ و متوفیّك مگر اصلی قرآن کی تو یہ عبارت نہیں ہے اگر مفسرین نے کوئی نیا قرآن بنایا ہو تو اس میں ہوگی پھر دوسری جگہ اور بھی صاف ہے۔

فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ (مائدہ: ۱۱۷)

کہ حضرت عیسیٰؑ جناب باری میں عرض کریں گے کہ جب تو نے مجھے وفات دے دی تب تو ان پر نگہبان رہا ان دونوں آیتوں میں وفات کا ذکر ہے اور یہ موت کی دلیل ہے۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا۔ (زمر: ۴۳)

پس ان کی وفات کی خبر بہت صاف ہے

(تہذیب الاخلاق جلد سوم صـ۲۲۱، ۲۲۲ مضامین نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خان فنانشل سیکرٹری حیدر آباد دکن ملک فضل دین، ملک چنن دین، ملک تاج الدین ککے زئی، تاجران کتب مطبوعہ ۱۸۹۶ء)

۲۲۔ سر سید احمد خاں وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں: ۔

"حضرت مسیح کے واقعات میں جیسے کہ آپ کی ولادت کا مسئلہ بحث طلب ہے ویسا ہی آپ کی وفات کا مسئلہ بھی غور کے لائق ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہم کو قرآن مجید پر غور کرنا چاہیئے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے متعلق چار جگہ ذکر آیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پہلی تین آیتوں (آل عمران ۴۹: مائدہ ۱۱۸: مریم ۳۳ تا ۳۵ ناقل) سے حضرت عیسیٰؑ کا اپنی موت سے وفات پانا علانیہ ظاہر ہے مگر چونکہ علماء اسلام نے بہ تقلید بعض فرقِ نصاریٰ کے قبل اس کے مطلبِ قرآن مجید پر غور کریں یہ تسلیم کر لیا تھا حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں اس لیے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی غیر محقّق تسلیم کے مطابق کرنے کی بے جا کوشش کی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور چوتھی آیت میں لفظ رفع کا بھی آیا ہے جس سے حضرت عیسیٰؑ کی قدر و منزلت کا اظہار مقصود ہے"۔

(تصانیف احمدیہ حصہ اوّل جلد چہارم تفسیر القرآن جلد دوم صفحہ ۴۰ تا ۴۸ ۱۹۰۳ء مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علی خاں صوفی)

۲۳۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں: ۔

"وفاتِ مسیح کا ذکر خود قرآن میں ہے"۔

(ملفوظاتِ آزاد۔ مرتب: محمد اجمل خان ص۱۳۰)

۲۴ ۔ علامہ عنایت اللہ مشرقی (بانی خاکسار تحریک) اپنی تفسیر "تذکرہ" زیر آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں فرماتے ہیں:۔

"بلکہ اس میں یہ عبرت انگیز سبق موجود ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی موت بھی اسی سنت اللہ کے مطابق واقع ہوئی تھی جس کی بابت قرآن نے کہا ہے

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (فاطر: ۳۵)

("تذکرہ مجلد اوّل ص۱۷ للمفتقر الی اللہ الرحمان محمد عنایت اللہ خان المشرقی الهندی۔ مطبع وکیل امرتسر میں باہتمام شیخ محمد عبد العزیز ناظم طبع ہو کر ادارۃ الاشاعۃ للتذکرۃ امرتسر پنجاب سے شائع ہوئی)

۲۵ ۔ غلام احمد پرویز ایڈیٹر ماہنامہ طلوع اسلام "شعلۂ مستور" میں فرماتے ہیں:۔

"باقی رہا عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے، تو قرآن سے اس کی بھی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس میں ایسے شواہد موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے دوسرے رسولوں کی طرح اپنی مدتِ عمر پوری کرنے کے بعد وفات پائی"۔

(سلسلۂ معارف القرآن شعلۂ مستور ص۷۲۔ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام لاہور)

۲۶ ۔ علامہ اقبال نے ۱۹۳۶ء میں جماعت احمدیہ کے بارہ میں اپنے ایک مضمون میں وفاتِ مسیح کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے ہوئے لکھا:۔

"جہاں تک میں اس تحریک کا مفہوم سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ایک فانی انسان کی مانند جامِ مرگ نوش فرما چکے ہیں نیز یہ کہ ان کے دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ روحانی اعتبار سے ان کا ایک مثیل پیدا ہو گا کسی حد تک معقولیت کا پہلو لیے ہوئے ہے"۔

(مرزائیت کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو کے جواب میں شاعر اسلام مفکر مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مدظلہ العالی کا بصیرت افروز بیان صفحہ ۲۲ ناشر سیکرٹری شعبہ اشاعت و تبلیغ مسجد مبارک برانڈرس روڈ لاہور ۱۷ر فروری ۱۹۳۶ء نیز احمدیت اور اسلام و ختم نبوت ادارہ طلوع کراچی ص۲۹)

لدھیانوی صاحب!!! اب فرمایئے کیا ان علماء نے آپ کے اجماعِ حیات مسیح کی دھجیاں بکھیر کر نہیں رکھ دیں۔ رہا نزولِ مسیح پر اجماع تو اس بارہ میں آنجناب نے شرح فقہ اکبر کی عبارتیں نقل کرنے کا خواہ مخواہ تکلف کیا ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ نزولِ مسیح ایک پیشگوئی ہے جس کا تعلق امورِ غیبیہ سے ہے۔ اجماع تو زمانۂ ماضی یا حال کے واقعات پر ہوتا ہے۔ غیب کا تعلق تو مستقبل سے ہے۔ جس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن اس پر اجماع چہ معنی دارد؟ پھر سوچیئے کہ جس غیب کی حقیقت ہی معلوم نہیں اس پر اجماع کا مطلب کیا ہوا؟ جہاں تک نزولِ مسیح کی پیشگوئی کا تعلق ہے۔ ایک موعود مسیح مہدی کی آمد اور بعثت پر نہ صرف ہمارا ایمان ہے بلکہ ہم تو ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر گواہ بھی بن چکے ہیں۔ جبکہ مسیحؑ کے نزول کے انتظار کرنے والے مسلمان ۱۴۰۰ سالہ طویل انتظار سے تنگ آکر اب بالآخر اس عقیدہ سے ہی منکر ہوئے جاتے ہیں۔

۲

آپ نے نزولِ مسیحؑ کے حق میں ص۶ پر علامہ سیوطی کے رسالہ "الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السّلام" کا حسبِ ذیل حوالہ دینے کی بھی زحمت فرمائی ہے

"ثُمَّ يُقَالُ لهذا الزّاعم هل انت اٰخذ" بظاهر الحديث من غير حمل على المعنى المذكور، فيلزمك احد اَمْرَيْنِ اما نفى نزول عيسىٰ او نفى النبوّة عنه وكلاهما

کفرؒ

(بحوالہ الحادی للفتاوی جز ۲ صـ۱۶۶)

پھر اس مُدعی سے کہا جائے گا کہ کیا تم اس حدیث کے ظاہر کو لیتے ہو اور جو مطلب ہم نے اس کا کیا ہے اس پر محمول نہیں کرتے ہو؟ تو اس صورت میں تجھے دو میں سے ایک صورت لازم آئے گی یا یہ کہ نزول عیسیٰ علیہ السّلام کی نفی کر دو یا بوقت نزول ان سے نبوّت کی نفی کر دو اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔

ع لو آپ اپنے دام میں صیّاد آگیا

شاید آنجناب نے "الحادی" میں یا تو اس حوالے کا سیاق و سباق ملاحظہ نہیں فرمایا یا پھر عمداً کتر بیونت سے کام لے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نزولِ مسیح کا انکار کفر ہے۔ نزولِ مسیح سے کس بھلے مانس کو انکار ہے۔ ہمیں تو نزولِ مسیح کے بارے میں آپ کی سراسر مخالفِ قرآن و حدیث تشریح اور تاویلِ بعیدہ سے انکار ہے کہ ۱۹۰۰ سالہ مسیح جسم سمیت آسمان سے اُترے گا۔ "نزول کے معنی کی وضاحت کے بعد ہم آپکی تحریف کا پول کھولیں گے۔"

تعجب ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا ۝ رَّسُوْلًا (الطلاق: ۱۱، ۱۲) میں نزول کا لفظ آئے تو اس سے آپ حضرت آمنہ کے بطن سے پیدا ہونا مُراد لیتے ہیں۔ اور مسیح کے بارے میں اسی لفظِ نزول کو جسم سمیت آسمان سے اُترنے پر محمول کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے۔

قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا۔ (الاعراف: ۲۷)

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ (الحدید: ۲۶)

وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ۔ (الزمر: ۷)

کہ ہم نے تم پر لباس اتارا ہے۔ تم پر لوہا اتارا ہے اور تم پر آٹھ جوڑوں کی صورت میں چوپائے بھی نازل کیے ہیں۔

لُدھیانوی صاحب بتائیں کہ کیا یہ سارے اسی طرح آسمان سے نازل ہوئے۔ نزول کے لفظ کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے لیے تو پکڑ کر بیٹھ گئے ہیں۔ کہ وہ آسمان سے اتریں گے بتائیں کہ جانور کہاں لٹک کر اترے تھے۔

اسی قسم کے مولوی ہیں جنہوں نے ساری دنیا میں اسلام کو بدنام کر رکھا ہے۔ اسی قسم کی عقل کے علماء ہیں جو قرآن کریم کی آیات کو ظاہر پر محمول کر کے ساری غیر مسلم دنیا کو اعتراض کے مواقع بہم پہنچا رہے ہیں لیکن پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

تمام صحابہؓ کو علم تھا کہ نزول کے کیا معنے ہیں۔ کیا اُنہیں قرآن کریم میں نزول کا لفظ نظر نہیں آتا تھا کہ ان مذکورہ بالا چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ ہاں جن معنوں میں قرآن کریم میں ان چیزوں کے لیے لفظ نزول آیا ہے اُنہیں معنوں میں وہ حضرت عیسیٰ کے نزول کو سمجھتے تھے۔ اور مولوی صاحب کہیں یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ صحابہؓ نے لوہے، لباس اور جانوروں کا آسمان سے لٹک کر اُترنا بتایا ہو۔

ہمارے نزدیک لفظ نزول کے سادہ معنیٰ جس کے موید منقولی و معقولی دلائل ہیں، یہ ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں آنے والا مسیح مطابق حدیث بخاری اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ اور حدیث مسلم اَمَّکُمْ مِنْکُمْ وہ امت میں ہی پیدا ہوگا لیکن آپ یہ تو بتایئے کہ آپ اس حدیث کو کیوں نظر انداز کر گئے جس پر علامہ سیوطی کی بحث کا تمام دار و مدار ہے۔

اُن کی ساری بحث تو۔ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ۔ پر ہے اور وہ فرما رہے ہیں کہ اس حدیث کے یہ ظاہری معنے لینا کہ رسول اللہؐ کے بعد مطلقاً کوئی نبی نہیں آئے گا درست نہیں کیونکہ اس سے دو میں سے ایک بات بہر حال لازم آتی ہے۔

اوّل:۔ نزولِ عیسٰی سے انکار (کیونکہ وہ نبی ہیں) یا پھر اُن کی نبوت و رسالت سے انکار اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ پھر اس سے بچنے کا واحد راستہ خود علاّمہ سیوطی یہ بتاتے ہیں کہ۔ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ۔ کے ظاہری معنی مُراد نہ لیے جائیں بلکہ یہ مطلب لیا جائے کہ شریعت والا نبی نہیں آئے گا اور غیر تشریعی اور امتی نبی رسالتِ محمدیہ کی اتباع میں آسکتا ہے۔

اصل الفاظ ملاحظہ ہوں۔ جو از راہِ تحریف آنجناب نے نقل نہیں کیے۔

"یَا مِسْکِیْنُ لَا دَلَالَۃَ فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ عَلٰی مَا ذَکَرْتَ بِوَجْہٍ مِنَ الْوُجُوْہِ لِاَنَّ الْمُرَادَ لَا یَحْدُثُ بَعْدَہٗ بَعْثُ نَبِیٍّ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ کَمَا فَسَّرَہٗ بِذٰلِکَ الْعُلَمَاءُ"

(الحادی للفتاوی جز ثانی صـــ۱۶۶ ۔ طابع و ناشر مکتبہ نوریہ بغدادی۔ جامع مسجد۔ فیصل آباد)

مولوی صاحب! یہ تو وہی بات ہوئی کہ یہ حوالہ پیش کر کے آپ کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

۳

مولوی صاحب! ایک اور ناحق جرح آپ نے حضرت امام مالکؒ کے وفاتِ مسیح کے مسلک پر فرمائی ہے جس کا لبِّ لباب یہ ہے کہ یہ نزولِ مسیح کے بھی قائل ہیں۔ پھر آپ نے امام مالکؒ جیسے بزرگ کے مُنہ میں لُقمہ دینے کی بھی کوشش کی ہے کہ موتِ عیسٰی سے ان کی مُراد مسیح کا آسمان پر جانا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی روشنی آنجناب کے دماغ میں داخل ہی نہیں ہوئی۔ ایسی جسارت کہ امام مالکؒ موتہٖ کہتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ آسمان پر جانا مُراد ہے۔ آپکو کیا خدا نے مامور فرمایا ہے کہ ہر لفظ کا مطلب جو چاہیں بنا لیں۔ اگر موت سے مُراد آسمان پر جانا ہے تو اپنے لیے ایسی موت کیوں نہیں مانگتے تاکہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔ آسمان سے کوئی آئے یا نہ آئے کم از کم چڑھ کر ہی دکھائیے۔

جناب مولوی صاحب! کان کھول کر سُنیئے! موت سے مُراد موت ہی ہوتی ہے۔ موت سے ڈریں۔

آپ نے یہ بے وزن بات بھی خوب کہی کہ بالفرض امام مالکؒ وفات کے قائل بھی ہیں تو حیات بعد الموت کے قائل ہیں۔

یہ تو درست ہے کہ امام مالکؒ ہی نہیں تمام مسلمان حیات بعد الموت کے قائل ہیں لیکن یہ ہرگز مُراد نہیں کہ اِسی دُنیا میں مُردوں کے جی اُٹھنے کے قائل ہوں۔ حیات بعد الموت سے مُراد حیات الآخرت ہے۔

قرآنِ کریم نے تو ان لوگوں کی روحوں کا جو مرنے کے بعد جسم سے جُدا ہو گئیں واپس آنا قطعی طور پر محال قرار دیا ہے اور تقدیرِ الٰہی کے بھی خلاف قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا:۔

وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَآ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝ (الانبیآء:۹۶)

ترجمہ:۔ اور ہر ایک بستی جسے ہم نے ہلاک کیا ہے اس کے لیے یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اس کے بسنے والے لوٹ کر اس دُنیا میں نہیں آئیں گے۔

آپ کو اس نصِ صریح کا علم نہ ہو تو کوئی تعجّب نہیں لیکن حضرت امام مالکؒ پر یہ الزام لگانے کا آپ کو کیا حق ہے کہ وہ بھی آپ ہی کی طرح بدعقیدہ تھے۔

ہم آپ کو چیلنج کرتے ہیں کہ امام مالکؒ کے کسی حوالہ سے ثابت کریں کہ آپ موت سے مُراد مرنے کی بجائے آسمان پر جانا مُراد لیا کرتے تھے۔

پھر اس پر مستزاد یہ کہ "کھسیانی بلّی کھمبا نوچے" کے مصداق آپ نے حضرت امام مالکؒ کا وفاتِ مسیحؑ کا عقیدہ اپنی کتاب مجمع بحار الانوار میں نقل کرنے والے امام شیخ محمد طاہر

گجراتی صاحب کے مسلک کو ناحق اس بحث میں اُلجھا کر امام مالکؒ کے عقیدہ سے توجہ ہٹانے کی بے سود کوشش کی ہے ۔

چونکہ امام مالکؒ کا مسیح علیہ السّلام کی موت کے بارہ میں واضح ارشاد امام محمد طاہر گجراتی نے اپنی کتاب مجمع بحار الانوار میں درج فرمایا ہے اس لیے آپ نے ایک یہ اچنبھی دلیل بھی تراش لی ہے کہ چونکہ امام محمد طاہر گجراتیؒ خود حیاتِ مسیحؑ کے قائل تھے اس لیے امام مالکؒ کے متعلق ان کا یہ لکھنا کہ وہ مماتِ مسیح کے قائل تھے ، برعکس معنے رکھتا ہے ۔

(۴)

امام ابن حزم کے عقیدہ وفاتِ مسیحؑ کو بھی آپ نے اپنی اس رٹ سے کمزور کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ نزولِ مسیحؑ کے بھی قائل ہیں اور آپ نہیں سمجھتے کہ وفات عیسیٰ علیہ السّلام کے بعد نزول مسیحؑ کے ہم بھی قائل ہیں تو ابنِ حزم کا رجحان کس جانب ہوا ؟ یقیناً وہ ہمارے مؤقف سے قریب تر ہیں ۔

آپ کو یہ بھی اصرار ہے کہ ابنِ حزم نے محض مسیحؑ کے قتل ہونے یا صلب پر مرنے سے انکار کیا ہے حالانکہ خود آپ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے ۔

تَوَفَّاہُ اللّٰہُ ثُمَّ رَفَعَہٗ

کہ خُدا نے پہلے وفات دی پھر اس کے بعد رفع فرمایا ۔ پس اس سے تو تمام نبیوں کی طرح مسیح کا رفعِ روح ثابت ہوا نہ کہ جسم ۔ اور اپنے کج عقیدہ کے مطابق مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ کی آیتِ قرآنی میں آپ تقدیم و تاخیر کرنے کی بے ادبی اور جسارت کرتے ہیں ۔

جہانتک قرآنِ کریم کی اس آیت کا تعلق ہے اُس میں آپ کی یہ جسارت کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے غلطی سے وفات کا ذکر رفع سے پہلے کر دیا حالانکہ عیسیٰ علیہ السّلام کی

وفات ، رفع کے بعد ہونی تھی تو اس بارہ میں امام ابن حزم کا فتویٰ سُن لیجئے ۔ وہ آپ کی اس بودی دلیل کو قطعاً ردّ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں :۔

تَوَفَّاہُ اللّٰہُ ثُمَّ رَفَعَہٗ

کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو پہلے وفات دی پھر اس کے بعد رفع فرمایا

اب بہانہ ھائے بسیار میں سے ایک آخری حیلہ آپ کے پاس یہ رہ گیا تھا کہ آپ توفی سے مُراد وفاۃ النوم لے لیتے ہیں ۔ تو ابنِ حزمؒ اس کا بھی انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ۔

فصحّ انّہ انّما عنی وفاۃ الموت

جس کا ترجمہ خود آپ نے یہ کیا کہ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ میں وفاتِ نوم کا ارادہ نہیں کیا گیا اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ اس سے وفاتِ موت کا ارادہ کیا ہے ۔

اس بحث سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ کی یہ تعلّی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے لے کر آج تک حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ پر اُمّتِ محمدیّہ کا اجماع رہا ہے ، محض غلطی ہی نہیں بلکہ عمداً افتراء کا ارتکاب ہے ۔ جس شخص کو امام ابنِ حزم کے ان تمام فرمودات کا علم ہو وہ اپنے ہوش و حواس میں تو یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ ان کی طرف حیاتِ مسیحؑ کا عقیدہ منسوب کرے سوائے اس کے کہ عمداً افتراء سے کام لے کر انکی طرف یہ غلط بات منسوب کرے ۔

رہا آپ کا یہ زعمِ باطل کہ قتل اور صلیب کے ذریعہ مسیحؑ کی موت کا انکار کر کے مُتَوَفِّیْکَ اور تَوَفَّیْتَنِیْ سے جس طبعی موت کا ابن حزم اقرار کر رہے ہیں اس سے مُراد وہ دوسری موت ہے جو بعثت کے بعد ہو گی ۔

آپ کی ضدّ اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ ابنِ حزم کے ان واضح قطعی بیانات

کے باوجود، جو ہر ابہام سے پاک ہیں، آپ یہ ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے۔ کہ ابنِ حزمؒ جب مسیحؑ کی موت کا کھلم کھلا اقرار کرتے ہیں تو اس سے مُراد ان کی صرف یہ ہے کہ آسمان سے جب واپس دنیا میں لوٹیں گے، پھر مریں گے حالانکہ خوب اچھی طرح آپ کے علم میں ہے کہ حضرت امام ابن حزم رفع کے بعد کی موت کا عقیدہ ردّ کرتے ہیں اور صاف لکھ رہے ہیں کہ مُتَوَفِّیْکَ کا عمل رَافِعُکَ کے عمل سے پہلے واقع ہوا ہے۔ آپ جاہل عوام کو تو دھوکا دینے میں کامیاب ہوں یا نہ ہوں، خدا کو کس طرح دھوکہ دے سکتے ہیں۔ خُدا سے ڈرنا چاہیئے۔ اس کے حضور آپ کی لازماً جواب دہی ہوگی۔

امام ابن حزم کے مسیحؑ کے رفعِ روح کے اس قول کی تائید مزید "کتاب الفصل" میں درج ان کے اس فیصلۂ برحق سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے شبِ معراج میں انبیاء علیہم السّلام کی ارواح کو دیکھا۔

دیکھیے حیاتِ مسیحؑ کی ایک خطرناک لغزش کے بعد کس طرح آپ کو لغزش پر لغزش اور تاویل پر تاویل کرنی پڑ رہی ہے۔ صحیح بخاری کی واضح حدیث موجود ہے کہ معراج کی رات باقی نبیوں کی طرح حضرت مسیح علیہ السّلام سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ملاقات ہوئی اور علّامہ ابنِ حزم ایک طرف مسیح کی توفّی بالموت کے بعد ان کے رفع روح کا اعلان کر رہے ہیں تو دوسری واشگاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ شب معراج میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انبیاءؑ کی ارواح کو دیکھا۔ نہ کہ ان میں سے کسی کے جسم کو — اب آپ کے لیے کیا جائے فرار باقی رہ گئی ہے؟۔

آپ کی یہ تاویل بھی حماقت کا شاہکار ہے کہ انبیاءؑ کی روحوں کو ان کے بدلوں میں دیکھا گیا ہوگا۔ اس پر نہ تو کوئی قرآنی دلیل ہے، نہ ماثور اور عقلی دلیل۔ آپ کا قلم جو چاہے اُگلتا چلا جا رہا ہے اور آپ ذرّہ بھر بھی یہ خیال نہیں کرتے کہ بحث و تمحیص میں عقلی و نقلی

دلائل کی ضرورت ہوا کرتی ہے نہ کہ محض دعاوی کی۔ اور پھر دعاوی بھی ایسے جنہیں عقلِ انسانی بالبداہت ردّ کرتی ہو۔

قرآنِ شریف واقعۂ معراج کے بارہ میں فرماتا ہے

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ (النجم: ۱۲)

کہ دل نے جو نظارہ دیکھا وہ جھوٹ نہ تھا۔ یعنی واقعہ معراج میں رؤیت قلبی تھی نہ کہ رؤیت عینی کہ بقول آپ کے "تجسّمِ ارواح" لازم آئے۔

آپ کی یہ دلیل نہایت احمقانہ ہونے کے باوجود اگر تسلیم بھی کر لی جائے تب بھی آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ابن حزمؒ نے جب یہ لکھا کہ تمام انبیاءؑ علیہم السّلام کی روحیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو دکھائی گئیں تو یہ بات قطعی ہو گئی کہ ان میں ایک بھی روح ایسی نہ تھی جو زمین سے اپنا بدن ساتھ لے کر گئی ہو۔ ورنہ اس روح کے متعلق یہ کہنا لازم تھا کہ سوائے فلاں نبی کے جو دنیاوی بدن سمیت وہاں موجود تھا۔ پس مسیحؑ کی روح کا دیگر انبیاء کے ساتھ بحیثیت روح کے شامل ہونا قطعی طور پہ ثابت ہوگا۔ اس لاتعلق بحث سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا کہ خدا نے ان روحوں کو دکھانے کے لیے بدن عطا کیا تھا یا نہیں؟ ان روحوں کے زمین پر چھوڑے ہوئے تہِ خاک ابدان کو آسمان پر لے جانے کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور غالباً آپ بھی اپنی بے باکی کے باوجود یہ نظریہ پیش کرنے کی جسارت نہیں کریں گے۔

انبیاءؑ کی روحوں سے نبی کریمؐ کی ملاقات کا تذکرہ صرف ابن حزمؒ نے ہی نہیں کیا بلکہ علّامہ ابنِ قیّمؒ اور داتا گنج بخشؒ نے بھی کیا ہے۔ پھر بھی آپ ان ارواح کو اجسامِ مثالیہ سے تعبیر کرنے پر مصر ہیں۔

اجسامِ مثالیہ کے بارہ میں ہم بات کھول چکے ہیں کہ یہ وہ جسم نہیں تھے جو زمین پر چھوڑے گئے تھے۔ پھر آپ کو اس دلیل سے کوئی فائدہ پہنچنے کی توقع ہے تو سوائے اس

کے کہ آپ کی حالت پر رحم کیا جائے اور کیا کیا جا سکتا ہے ۔

آپ نے حضرت داتا گنج بخش رحؒ کا یہ قول نقل کر دینا کافی سمجھا کہ "صحیح احادیث میں وارد ہے کہ مسیح کو آسمان پر اُٹھا لیا گیا" مگر اس کی تحقیق نہ فرمائی کیا آپ ایسی کوئی ایک حدیث بھی پیش کر سکتے ہیں جو رفع جسمانی پر دلیل بن سکتی ہو۔ اب بھی آپ کو چیلنج ہے کہ اگر ایسی کوئی حدیث ہے تو لایئے اور بیس۲۰ ہزار روپے کے حضرت مرزا صاحب کے انعامی چیلنج سے فائدہ اٹھایئے ۔ پھر اگر حضرت داتا گنج بخش رحؒ نے ایک طرف واقعۂ معراج میں صحیح بخاری کی حدیث کی رُو سے ارواح سے ملاقات کو تسلیم کیا ہے تو اس کے مقابل آسمان پر جانے کی کسی ضعیف روایت کو قبول کرنا کس طرح قرین قیاس ہے ۔

ایک طرف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اعلان کہ مسیحؑ کی روح بھی ارواحِ انبیاءؑ میں شامل تھی ، اپنے ساتھ صحیح بخاری کی حدیث کی صورت میں ایک قطعی تائیدی گواہ رکھتا ہے اس لیے اس دعوے کو من وعن قبول کیئے بغیر چارہ نہیں ۔

دوسری طرف جب ان کے اس دعوے پر نظر کرتے ہیں کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مسیح کو آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے تو تلاشِ بسیار کے باوجود ایک بھی صحیح حدیث اس دعوے کے ثبوت میں نہیں ملتی ۔ پس یہ دوسری شکل ان معنوں میں تو ہرگز قابلِ قبول نہیں کہ احادیث صحیحہ میں حضرت مسیحؑ کے جسم سمیت آسمان پر اُٹھائے جانے کا ذکر ملتا ہو ۔ ہاں اگر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھانے سے مُراد رفع درجات لیا ہے تو پھر اس معنے میں آپ کے اس ارشاد کو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں

۵

حضرت ابنِ عباس رضؓ کے صحیح بخاری میں درج قول مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ کو آپ نے درِّ منثور میں ان کی طرف منسوب ایک دوسرے قول سے کمزور کرنے کی بے سود کوشش کی ہے کیا یہ انصاف کا خون نہیں کہ آپ أصحّ الکتب بعد کتاب اللہ بخاری کی ایک صحیح اور ثقہ روایت کو (کہ قرآن اور عقل جس کے مؤیّد ہیں) مردود قرار دے رہے ہیں اور درِّ منثور کی ایک کمزور ، بلا سند روایت کو (جو خلافِ عقل اور خلافِ قرآن بھی ہے) اس لیے قبول کر لیں کہ وہ آپ کے غلط عقیدہ کی تائید کرتی ہے ۔ آپ نے مفسّرِ قرآن حضرت ابن عباس رضؓ کی بخاری میں درج اس تفسیر (جس سے وفاتِ مسیح ثابت ہوتی ہے) کے ایک راوی علی بن ابی طلحہ پر بلا تحقیق ضعف کا الزام لگایا ہے اور یہ تحقیق نہیں کی کہ علمائے فن نے حضرت ابن عباس رضؓ تک پہنچنے والی جملہ اسناد میں سے صرف اسی سند کو ثقہ اور مضبوط قرار دیا ہے جس میں علی بن ابی طلحہ ہوں ۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحؒ اتقان میں لکھتے ہیں : ۔

"وَقَدْ وَرَدَ عَنِ ابْنِ عباسٍ فِي التَّفْسِيْرِ مَا لَا يُحْصٰى كَثْرَةً" وَ فِيْهِ رِوَايَاتٌ وَطُرُقٌ" مُخْتَلِفَةٌ" فَمِنْ جَيِّدِهَا طَرِيْقُ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ الْهَاشِمِيِّ"

(الاتقان فی علوم القرآن للعلامہ سیوطی جز ۲ ۔ صـ۳۲۱ بمطبوعہ مصر)

یعنی حضرت ابن عباس رضؓ سے منسوب تفسیر میں لاتعداد کثرت پائی جاتی ہے اور اس میں مختلف طرق اور روایات ہیں ان میں سب سے بہترین سند وہ ہے جو علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل کو مصر میں ایک ایسے نسخے کی موجودگی کا علم ہوا جو علی بن ابی طلحہ سے

مروی تفسیر پر مشتمل تھا تو آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش کوئی شخص علی بن ابی طلحہ سے مروی اس نسخہ کے مطالعہ کے لیے مصر کا قصدِ سفر کرے یہی اہم نسخہ امام بخاری کے نزدیک قابلِ اعتماد تھا اس بارہ میں علامہ ابنِ حجر کی رائے ملاحظہ کیجیے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

”وَهٰذِهِ النُّسْخَةُ كَانَتْ عِنْدَ اَبِیْ صَالِحٍ كَاتِبِ اللَّيْثِ رَوَاهَا
عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
وَهِيَ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ وَقَدِ اعْتَمَدَ عَلَيْهَا
فِیْ صَحِيْحِهٖ كَثِيْرًا فِيْمَا تعلّقه عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ“

(الاتقان فی علوم القرآن للعلامہ سیوطی جلد ۲۔ ص۳۲۱ مطبوعہ مصر)

یعنی یہ نسخہ لیث کے کاتب ابوصالح کے پاس تھا جسے معاویہ بن صالح نے علی بن ابی طلحہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور یہ روایات امام بخاری کے پاس ابوصالح سے پہنچی ہیں اور امام بخاری نے اس نسخہ پر اپنی صحیح بخاری میں اتنا زیادہ اعتماد کیا ہے کہ علی بن ابی طلحہ کی ابن عباس سے مروی ایسی روایات بطور تعلیق (یعنی بلا سند) اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔ آپ کا یہ اعتراض کہ علی بن ابی طلحہ کا سماع ابن عباس سے ثابت نہیں کوئی نئی تحقیق نہیں بلکہ علماء نے اس سوال کی تسلی بخش تحقیق کر کے پھر علی بن ابی طلحہ کی روایات قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

چنانچہ علامہ سیوطی فرماتے ہیں:۔

”وَقَالَ قَوْمٌ لَمْ يَسْمَعِ ابْنُ أَبِیْ طَلْحَةَ مِنَ ابْنِ عَبَّاسٍ التَّفْسِيْرَ
وَاِنَّمَا اَخَذَهٗ عَنْ مُجَاهِدٍ اَوْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ قَالَ ابْنُ حَجَرٍ
بَعْدَ أَنْ عَرَفْتُ الْوَا سِطَةَ وَهُوَ ثِقَةٌ فَلَا ضَيْرَ فِیْ ذٰلِكَ“

(الاتقان فی علوم القرآن للعلامہ سیوطی جزء ۲ ص۳۲۱ مطبوعہ مصر)

یعنی ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ابن ابی طلحہ نے ابنِ عباس سے تفسیر نہیں سُنی بلکہ (ابن عباس کے شاگردوں) مجاہد اور سعید بن جبیر سے اخذ کی ہے (یہی وجہ ہے کہ) علامہ ابن حجر نے کہا کہ علی بن ابی طلحہ اور ابن عباسؓ کے درمیانی واسطہ کے معلوم ہو جانے کے بعد اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ مجاہد اور سعید بن جبیر ثقہ راوی ہیں علی بن ابی طلحہ کی ابنِ عباسؓ سے روایات قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

پھر آپ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فیصلہ بھی سُن لیں آپ الفوز الکبیر فصل اول میں شرح غریب قرآن کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:۔

”بہترین شرح غریب آں است کہ اوّل از ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباسؓ از طریق ابنِ ابی طلحہ صحیح شدہ است و بخاری در صحیح خود غالباً برہمی طریق اعتماد کردہ است“

(الفوز الکبیر ص۱۵ مطبع علمی دہلی)

یعنی غرائب قرآن کی شروح میں سے بہترین شرح، شارح قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس کی ہے جو ابن ابی طلحہ کے طریق روایت سے صحت کے ساتھ ہم کو پہنچی ہے اور غالباً امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں اس طریق پر اعتماد فرمایا ہے۔

اور ہمارے نزدیک حضرت ابنِ عباسؓ مفسّر قرآن کی یہ روایت اس لیے بھی قابلِ قبول ہے کہ موافق قرآن و سنّت و عقل و نقل ہے۔

اس بحث سے یہ بات تو خوب کُھل گئی ہے کہ آپ نے جو بخاری سے ہماری پیش کردہ ابنِ عباسؓ کی روایت کو ردّ کرنے کی کوشش کی تھی اس سے وہ روایت تو ردّ نہیں ہو سکی لیکن آپ کی یہ کوشش یقیناً مردود ثابت ہو چکی ہے جو آپ نے اسے ردّ کرنے کے لیے کی۔ مزید فائدہ اس بحث سے یہ پہنچا کہ آپ کی علمیّت کا پول کُھل گیا۔ پس یا تو آپ کا عالم ہونے کا دعوے

محض ڈھکوسلہ ہے کہ یقیناً ان روایات پر آپ کی نظر نہیں یا پھر اس فیصلہ کے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ عالم تو ہیں مگر تقویٰ سے عاری ہیں کہ اتنے بھڈوس علمی دلائل سے صرفِ نظر کر جانا محض ہیر پھیر کرنے والے کو زیب دیتا ہے، ایک عالمِ دین ایسی جسارت نہیں کر سکتا۔

اب ذرا ان روایات کا حال بھی معلوم کر لیجیے جو آپ نے اپنے عقیدہ حیاتِ مسیح کے حق میں پیش کی ہیں درِّ منثور کے حوالے سے ابن عباسؓ کا جو قول آپ نے پیش کیا کہ مُتَوَفِّيْكَ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ“ کہ آخری زمانے میں تجھے وفات دوں گا اوّل تو یہ بلا سند قول ہے اور کسی مستند کتاب میں مع سند یہ قول موجود نہیں نہ تفسیر ابنِ جریر طبری میں نہ ہی تفسیر ابنِ کثیر میں اور نہ تفسیر ابن عباس میں پھر اس قول پر کیسے اعتماد کیا جائے اور کیوں اُس کے مقابل پر امام بخاری کی مستند صحیح روایت کو ترک کیا جائے جو وفاتِ عیسٰی کا صاف اعلان کر رہی ہے۔

آپ کی بوکھلاہٹ کی حدّ یہ ہے کہ بخاری کی ایسی مستند روایت کو ردّ کرنے کے لیے آپ نے ایسی روایت تلاش کی جس کی نہ سند کسی مستند کتاب سے لی اور ویسے بھی یہ حضرت ابنِ عباسؓ کی بجائے روایت نقل کرنے والے کا عقیدہ معلوم ہوتا ہے اور ایسی بیشمار مثالیں ہیں کہ لوگ اپنی رائے ابنِ عباسؓ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ اس لیے آپ کی پیش کردہ روایت کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

دوسرے متوفیك سے آخری زمانے میں مسیح کی توفی یعنی موت مراد لینے سے لازم آتا ہے کہ ان کا رفع ابھی نہیں ہوا کیونکہ مُتَوَفِّيْكَ کے بعد رَافِعُكَ آیا ہے اور یہ عقیدہ خلافِ قرآن ہے قرآن واشگاف لفظوں میں اعلان کر رہا ہے کہ یہود نامسعود مسیح کو صلیب پر مار کر مطابق توریت لعنتی ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے بلکہ مسیح کا رفع روحانی ہوا فرمایا۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ۔ اور آپ کا یہ خیال کہ عالم الغیب خدا کے کلام میں بیان کردہ ترتیب مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ درست نہیں بلکہ اصل اور صحیح ترتیب اس کے اُلٹ رَافِعُكَ وَمُتَوَفِّيْكَ ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا نہ صرف سوءِ ادبی ہے بلکہ سخت جاہلانہ خیال ہے اور عالمُ الغیب خدا پر اعتراض ہے جس کی جرأت کوئی صاحبِ بصیرت انسان نہیں کر سکتا رہی حضرت ابنِ عباسؓ کی وہ روایت جس میں مسیحؑ کے دوبارہ نزول کا ذکر ہے سو وہ ہمارے لیے چنداں مضر نہیں کیونکہ نزولِ مسیح کے ہم بھی قائل ہیں مگر وفاتِ مسیح کے بعد نزولِ مسیح سے ان کے مثیل کی آمد مُراد لیتے ہیں۔ یہی حال حضرت ابنِ عباسؓ کا ہے جو مُتَوَفِّيْكَ کے معنے موت کرتے ہیں اور مسیح کی وفات تسلیم کرتے ہیں اس کے بعد نزول پر ایمان یقیناً تعبیر طلب ہے۔ جہاں تک تفسیر ابن کثیر کی اس روایت کا تعلق ہے جس میں حضرت ابنِ عباسؓ سے یہ قول منسوب ہے کہ مسیح کو زندہ آسمان پر اُٹھا لیا گیا اور یہود نے ان کی جگہ کسی اور کو پکڑ کر قتل وصلب کیا۔

اوّل تو یہ روایت صحیح بخاری سے معارض ہونے کے باعث قابلِ ردّ ہے دوسرے یہ روایت ابتدائی زمانہ کی کسی حدیث یا تفسیر کی کتاب میں نہیں ملتی بلکہ سات صدیاں بعد اچانک ابنِ کثیر کی تفسیر میں دَر آئی ہے۔ حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ایسی ہی روایات کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا گیا چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔

”وَهٰذِهِ التَّفَاسِيْرُ الطِّوَالُ الَّتِيْ أَسْنَدُوْهُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ غَيْرُ
مَرْضِيَّةٍ رَوَاهَا مَجَاهِيْلُ كَتَفْسِيْرِ جُوْهَرٍ عَنِ الضَّحَّاكِ عَنِ
ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ جُرَيْجٍ فِي التَّفْسِيْرِ جَمَاعَةٌ“ رَوَوْهُ عَنْهُ“

(الاتقان فی علوم القرآن للعلامہ سیوطی جز ۲ ص۳۲۱ مطبوعہ مصر)

اور یہ طویل تفاسیر جو لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کی ہیں ناپسندیدہ ہیں۔ ان کے راوی غیر معروف ہیں جیسے جوہر کی ضحاک سے اور اس کی ابن عباس سے روایت اور ابن جُریج کی تفسیری روایات جو ایک بڑی تعداد میں ان سے روایت کی گئی ہیں

یہی حال آپ کی بیان کردہ روایت تفسیر ابن کثیر کی سند کا ہے۔ حیرت ہے کہ کس طرح آپ نے بلا تحقیق اس کمزور سند کو سند صحیح قرار دے دیا شاید اسی لیے آپ نے سند نقل کرنے کی زحمت نہیں فرمائی اگر آپ کو سند کے راویوں کے اسماء سے اطلاع ہوتی اور کُتبِ رجال سے ان کے احوال دریافت کیے ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ اس سند کے ایک راوی منہال بن عمرو کو تو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد نمبر ۱۰ ص ۳۲۰ از علامہ ابن حجر عسقلانی

دائرۃ المعارف النظامیہ الکائنہ فی الہند ۱۳۲۸ھ محروسہ حیدر آباد)

اس سند کے دوسرے راوی ابو معاویہ شیبان بن عبد الرحمان ہیں جو خود ثقہ ہیں اور اُن کی اعمش سے مروی روایات ایسی منفرد احادیث ہوتی ہیں جو منکر ہیں۔ ابو حاتم ان کی روایت سے دلیل پکڑنے کو جائز نہیں سمجھتے اور ابو معاویہ کی یہ روایت اعمش سے مروی ہے لہٰذا منکر ہوئی۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۳۴۷ از ابن حجر عسقلانی بمطبعہ مجلس دائرۃ المعارف ۱۳۲۵ھ محروسہ حیدر آباد)

لدھیانوی صاحب! اس تحقیقِ حق کے بعد تو مسیح علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے سب رستے مسدود ہو گئے ہیں۔

⑥

آپ نے علاّمہ عبید اللہ سندھی صاحب کی تفسیر الہام الرحمان کو ان کی تصنیف تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔

مولوی صاحب! معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وہ تفسیر اٹھا کر ہی نہیں دیکھی۔ یا دیکھی ہے تو حسبِ عادت ان شواہد سے صرفِ نظر کر گئے ہیں جو اسی کتاب میں آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آپ کو جھٹلا رہے ہیں۔ زیرِ بحث کتاب کے دیباچہ میں مولوی عبید اللہ صاحب نے قطعی شہادت پیش کی ہے کہ:۔

امام سندھی کے قیامِ مکّہ کے دوران علامہ موسیٰ جار اللہ نے ان کی یہ تفسیر عربی میں قلمبند کی جو علامہ سندھی کی واپسی پر اُن کے بھتیجے مولانا عزیز احمد دیگر قلمی و مطبوعہ کتب کے ساتھ یہاں لائے امام سندھی کے شاگرد مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی نے اس عربی تفسیر کے دو حصوں کو شائع فرمایا جبکہ امام سندھی کی عربی تفسیر کے مسودہ کا ترجمہ ان کے شاگرد مولانا عبد الرزاق نے کیا اور محمد معاویہ عبید اللہ نے اس کی طباعت کروائی۔ (دیباچہ تفسیر الہام الرحمان جلد اوّل ص ۲۲

ناشر:۔ علامہ مولانا محمد معاویہ۔ ادارہ بیت الحکمہ۔ لامام ولی اللہ الدہلوی)

اس میں شک نہیں کہ مولانا سندھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بڑے مدّاح تھے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان پر مقلد ہونے کا الزام لگائیں۔ علاّمہ عبید اللہ سندھی نے وفاتِ مسیح کے معاملہ میں آزادانہ طور پر اپنے مذہب کا اظہار کیا ہے۔

اسی طرح آپ نے اپنی لاعلمی میں مولانا آزاد مرحوم کی طرف وفاتِ مسیح کی نسبت کو غلط قرار دیا ہے امر واقعہ یہ ہے کہ اس بارہ میں بھی آپ کی تحقیق ادھوری رہ گئی۔ ملفوظاتِ آزاد ص ۱۳۰ پہ درج ہے کہ مولانا ابو الکلام آزاد کو ڈاکٹر انعام اللہ خان آف بلوچستان نے لکھا کہ مرزائی لوگ آپ کی طرف مختلف معاملات منسوب کرتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مولانا وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ براہِ کرم ایسی فیصلہ کُن کتاب لکھ دیں کہ بولنے کی جرأت نہ رہے اور اس میں یہ بھی درج فرمائیں کہ اس کے ذریعے تمام پرانی تحریریں منسوخ ہیں اور پرانے خیالات بھی۔

اس کے جواب میں مولانا ابو الکلام آزاد نے بڑا واضح اور صاف جواب دیا کہ "وفاتِ مسیح کا جو ذکر خود قرآن میں ہے"۔ اس پر بس نہیں مولانا آزاد نے اپنی تصنیف "نقشِ آزاد" میں حیاتِ مسیح کے عقیدہ کو غیر اسلامی قرار دیا۔

اس سے بھی مزید دو میں سے ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ بغیر علم اور بغیر تحقیق کے بات کرنے کے عادی ہیں تاکہ سادہ بندگانِ خدا کو دھوکا دیں۔ یا پھر ارادۃً ان

شواہد سے صرفِ نظر کرتے ہیں جو آپ کے پیش کردہ دلائل اور مؤقف کو مردود ثابت کرتے ہوں۔

⑦

عرب، مصر اور ہندوستان کے ایک درجن سے زائد علماء کرام (جو وفاتِ مسیح کے قائل ہیں) کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ "یہ حضرات دینی عقائد میں سند اور حجت نہیں فہم قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور سلف صالحین کا ارشاد لائق استناد ہے۔"

جناب آپ تو حضرت ابنِ عباسؓ، حضرت جارود بن معلیٰؓ، حضرت امام مالک کے مذہب وفاتِ مسیح کو بھی سند نہیں مانتے آپ سے علمائے کرام بشمول مفتی مصر علامہ محمود شلتوت کو نہ ماننے پر کیا شکوہ۔

مولوی صاحب! آپ کی کیفیت تو اس درخت کی سی ہے جسے زمین سے اکھاڑ دیا گیا ہو مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔

آپ کو یہ جرأت تو ہے کہ علامہ محمود شلتوت کے مقابل پر زیادہ مستند اور عالمِ دین ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔ لیکن اب بحث صرف یہ رہ گئی ہے کہ علامہ شلتوت اور جید علماء آپ کے اس عقیدہ کے قائل ثابت نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس عقیدہ کے قائل ہیں۔ پس آپ کا اجماعِ اُمت کہاں گیا؟؟۔

* * *

⑧

حیاتِ مسیح کے عیسائی عقیدہ کو آپ نے اسلامی عقیدہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش بھی کی ہے۔ اس بارہ میں پہلے ذرا محققین کی آرا کا مطالعہ فرمالیجیے:۔

۱:۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں:۔

"زاد المعاد میں جو یہ مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۳۳ برس کی عمر میں مرفوع ہوئے کوئی متصل حدیث اس بارہ میں نہیں ملتی۔ شامی کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ نصاریٰ سے مروی ہے۔"

(شرح زرقانی علامہ محمد بن عبدالباقی جزاول ص ۳۴ الطبعة الاولی بالمطبعة الازہریہ المصریہ ۱۳۲۵ھ)

یہی بات علامہ قیم نے زاد المعاد میں اور نواب صدیق حسن خان نے تفسیر 'فتح البیان' میں لکھی ہے۔

۲:۔ سرسید احمد خان تحریر فرماتے ہیں:۔

"قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے متعلق چار جگہ ذکر آیا ہے..... مگر چونکہ علماء اسلام نے بہ تقلید بعض فرق نصاریٰ کے قبل اس کے کہ قرآن پر غور کریں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں۔ اس لیے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے"۔

(تفسیر احمدی مصنفہ سرسید احمد خان ص ۴۶ و ص ۴۷ حصہ اول جلد ۴ در مطبع مفید عامہ آگرہ ۱۳۲۱ھ ۱۹۰۳ء)

۳:۔ علامہ عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں۔

"یہ جو حیاتِ عیسیٰ لوگوں میں مشہور ہے یہ یہودی کہانی نیز صابی من گھڑت کہانی ہے۔ مسلمانوں میں فتنۂ عثمان کے بعد بواسطہ انصار بنی ھاشم یہ بات پھیلی اور یہ صابی اور یہودی تھے۔" (تفسیر الہام الرحمان ص ۲۴ از عبیداللہ سندھی جلد اوّل۔ ناشر:۔ علامہ مولانا محمد معادیہ)

۴ :۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں۔

"یہ عقیدہ اپنی نوعیت میں ہر اعتبار سے ایک مسیحی عقیدہ ہے اور اسلامی شکل و لباس میں نمودار ہوا ہے"

(نقشِ آزاد صـ۱۰۲ ناشرین کتاب منزل لاہور مؤلف غلام رسول مہر مطبع علی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور)

۵ - علامہ شورائی لکھتے ہیں :۔

"عیسائی علمائے یہودیوں کو دائرہ عیسائیت میں لانے کی خاطر بے سروپا باتیں عوام میں پھیلا دیں وفات کے متعلق بھی لوگوں کو ذہن نشین کرایا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ نے صلیب پر جان تو ضرور دی ہے لیکن تین دن کے بعد زندہ ہوکر آسمان پر چڑھ گئے اور قیامت کے قریب زمین پر آئیں گے اور عیسائیت کے دشمنوں کا قلع قمع کریں گے"

(سائنٹفک قرآن از علامہ شورائی ص۲۶ مطبوعہ :۔ ایجوکیشنل پریس کراچی ناشران قرآن سوسائٹی کراچی)

۶ - غلام احمد پرویز لکھتے ہیں :۔

"حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زندہ آسمان پر اُٹھائے جانے کا تصور مذہب عیسائیت میں بعد کی اختراع ہے یہودیوں نے مشہور کر دیا کہ اُنہوں نے حضرت مسیح علیہ السّلام کو صلیب پر قتل کر دیا ہے حواریوں کو معلوم تھا کہ حقیقتِ حال یہ نہیں لیکن وہ بتقاضائے مصلحت اس کی تردید نہیں کر سکتے تھے"

(شعلۂ مستور ادارۂ طلوعِ اسلام کراچی ص۸۳)

جہاں تک آپ کے اس تجزیے کا تعلق ہے کہ آپ کے عقیدہ حیاتِ مسیح اور عیسائیوں کے عقیدہ حیاتِ مسیح میں کوئی مطابقت نہیں تو آپ کا یہ دعویٰ باطل اور حقائق پر سراسر پردہ ڈالنے والی بات ہے ہم نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ تفصیلی اور فردعی مسائل میں آپ عیسائیت سے مطابقت رکھتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو آپ مسلمان نہ کہلاتے عیسائی کہلاتے۔ مگر اس امر میں کیا شک ہے کہ بالعموم آپ کے عقیدہ اور عیسائی عقیدہ میں کوئی فرق نہیں۔ ذرا پھر غور کر کے دیکھ لیجیئے !!

۱۔ کیا آپ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ مسیح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ؟۔ یہی عقیدہ عیسائیوں کا ہے۔

۲۔ کیا آپ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ مسیح ناصریؑ دوبارہ آسمان سے اُتریں گے ؟ اور اُمّتِ محمدیہ کی اصلاح کے لیے اس اُمّت کا کوئی فرد نہیں آئے گا بلکہ آپ عیسائیوں کی طرح اسی مسیح کے جسمانی نزول کے قائل ہیں جن کو عیسائیوں نے خُدا کا بیٹا بنا رکھا ہے۔

آپ کے عقیدہ اور عیسائیوں کے عقیدہ میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مسیحؑ مر کر زندہ ہوا پھر آسمان پر چڑھا۔ آپ کہتے ہیں مرا ہی نہیں بلکہ زندہ چڑھا لیکن جہاں تک اسی مسیح کے بنفسہٖ زندہ آسمان پر جانے اور بنفسہٖ آنے کا تعلق ہے آپ کے اور عیسائیوں کے عقیدہ میں کوئی فرق نہیں۔

بحث صرف یہ نہیں کہ آپ مسیحؑ کے بنفسہٖ زندہ آسمان پر جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے بنفسہٖ واپس آنے کا یقین رکھتے ہیں بلکہ اس کے نتیجہ میں عیسائی آپ کو عقلاً ونقلاً الوہیتِ مسیحؑ کے عقیدہ کا قائل کر سکتے ہیں اور برصغیر پاک و ہند میں لاکھوں مسلمان اسی غلط عقیدے کے باعث عیسائیت کا شکار ہوئے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ ضد کر کے بیٹھ جائیں اور نہ مانیں مگر جب وہ قرآنِ کریم کی یہ دلیل پیش کر دیں کہ جب محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مطالبہ کیا گیا کہ جسم سمیت آسمان پر چڑھ کر اور اتر کر دکھاؤ تو ان کو خُدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ مطالبہ کرنے والوں کے سامنے یہ جواب پیش کر دو کہ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[1] یعنی مَیں تمہارے اس قسم کے ناجائز مطالبے پورے نہیں کر سکتا

---

[1] بنی اسرآئیل : ۹۴

بلکہ مَیں تو محض ایک بشر اور رسول ہوں۔ گویا بشر اور رسول کا آسمان پر زندہ چڑھ جانا اور اسی طرح زندہ آسمان سے اُتر آنا محال ہے۔ پس اگر آپ قرآنِ کریم کی اس آیت کی سچائی کے بھی قائل ہیں تو خواہ منہ سے مانیں یا نہ مانیں، لازماً یہ عقیدہ بنے گا کہ وہ مسیح ناصری جو زندہ آسمان پر چڑھ گیا اور زندہ اُتر کر دنیا میں ظاہر ہوگا وہ نہ بشر ہوگا، رسول بلکہ اس کا جانا اور واپس آنا اس کا مافوق البشر اور مافوق الرسول ہونا ثابت کرے گا۔ پس یہی عیسائی عقیدہ ہے اور یہی من وعن ان کی دلیل ہے کہ مسیح عام رسولوں سے مختلف تھا۔ بشر نہیں بلکہ خدا کا بیٹا تھا اور رسول نہیں بلکہ خود مظہر الوہیت تھا۔ پس اب آپ کے لیے کوئی راہِ فرار نہیں رہی۔

آپ کا عیسائیت کے ساتھ عقائد میں یہ اشتراک، حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ جس کی وجہ سے آپ مسلمان کہلا کر عالمِ عیسائیت کی مدد کر رہے ہیں۔ اس لیے مقدر تھا کہ مسیحِ موعودؑ کاسرِ صلیب بن کر آئے اور صلیبی عقائد کو جو مسلمانوں میں رائج ہو چکے ہیں قلع قمع کرے۔ چنانچہ کسرِ صلیب کا یہ کارنامہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیحِ موعودؑ نے خوب انجام دیا۔

اس سلسلہ میں ہم مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں مولوی نور محمد نقشبندی کا یہ حوالہ پیش کر کے بتاتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے قرآن اور سنّت اور بائیبل اور عقل سے مسیحِ ناصریؑ کی وفات ثابت کر کے اس دَور کے مسلمانوں پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ ان کو عیسائیت کی خوفناک یلغار سے بچا لیا۔ مولوی نور محمد نقشبندی کے بارہ میں آپ کم از کم اتنا تو جانتے ہیں کہ وہ احمدیت کے مدّاحوں میں سے نہیں تھے اور آپ کے بزرگ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے مخلص مریدوں میں سے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

”اسی زمانہ میں پادری لیفرائے پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت لے کر اور حلف اُٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا لوں گا .... اسلام

کی سیرت و احکام پر جو اس کا حملہ ہوا وہ تو ناکام ثابت ہوا .... مگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے آسمان پر بجسمِ خاکی زندہ ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کیلئے اُس کے خیال میں کارگر ثابت ہوا۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہوئے اور لیفرائے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰؑ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ مَیں ہوں .... اس ترکیب سے اُس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی۔“

(دیباچہ ترجمہ قرآن مولوی اشرف علی تھانوی ص ۳۰ سنہ ۱۹۳۴ء نور محمد مالک کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

۹

آپ نے کمال بے باکی سے ۳۰ صحابہ کی فہرست شائع کی ہے جنہوں نے مبیّنہ طور پر نزولِ مسیح کے ساتھ حیاتِ مسیح کا عقیدہ بھی اپنا رکھا تھا۔ اس طرح آپ نے سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے حالانکہ آپ یہ جانتے ہیں کہ نزولِ مسیح ایک پیشگوئی ہے جسے ۳۰ کیا اس سے بھی زیادہ صحابہ نے بیان کیا ہوگا مگر ان میں سے کسی ایک صحابیؓ نے بھی اپنا حیاتِ مسیح کا عقیدہ بیان نہیں کیا۔ ہمارا آپ کو چیلنج ہے کہ کسی ایک صحابی کی کوئی صحیح روایت حیاتِ مسیح کے بارہ میں ثابت کر دیں۔

وہ صحابہ کرامؓ جو مذہبی اصطلاحوں کو آپ سے ہزاروں گنا زیادہ سمجھتے تھے اور قرآنِ کریم کی اس آیت سے خوب آشنا تھے جس میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارہ میں لفظ نزول استعمال فرمایا گیا۔ یعنی قَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا۔ پس نزول کے لفظ سے ان کے لیے کسی غلط فہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جس رنگ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نزول فرمایا تھا ان سب پر روشن تھا کہ نزول سے کیا مراد ہے۔

حق یہ ہے کہ یہ سب صحابہؓ کم و بیش وہ ہیں جو وفاتِ رسول پر مدینہ میں موجود تھے اور جن کا وفاتِ مسیحؑ پر اجماع ہوا۔ کیا اس وقت ان صحابہ کو اپنا حیاتِ مسیحؑ کا عقیدہ یاد نہیں رہا تھا۔ ان میں سے ایک کا بھی اعتراض نہ اٹھانا یہ ثابت کر رہا ہے کہ آپ، ان پر سراسر بہتان باندھ رہے ہیں کہ وہ نعوذ باللہ حیاتِ مسیحؑ اور اس کے رفعِ جسمی کے قائل تھے۔

⑩

آپ نے حضرت مسیحؑ کے عقیدہ حیات و نزول کے بارہ میں حسبِ ذیل بعض قرآنی آیات پیش کر کے ان سے حیاتِ مسیحؑ کا عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

ا:۔ یہ آیت کہ وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ ؕ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ؏ (آلِ عمران: ۵۵)

کہ یہود نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

اس آیت سے مسیح کی حیات یا نزول کا اشارہ تک نہیں ملتا اور جو تدبیر اللہ نے کی اسکا دوسری جگہ ذکر فرمایا کہ:۔ اٰوَیْنٰھُمَآ اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ ؏ (مومنون: ۵۱)

کہ ہم نے مسیح اور ان کی والدہ کو ایک بلند پہاڑی جگہ پر جو پُر سکون اور چشموں والی تھی پناہ دی پس یہود کی صلیب پر قتل کرنے کی تدبیر سے بچا کر حضرت مسیحؑ کو کشمیر کے علاقہ میں لا کر طبعی عمر سے وفات دینا اللہ تعالیٰ کے خیر الماکرین ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ذرا سوچیے آسمان پر لے جانا اور مسیح کی جگہ ایک بے گناہ کو صلیب پر چڑھا دینا اور اُدھر یہود کو اس دھوکہ میں مبتلا رکھنا کہ گویا انہوں نے واقعی مسیح کو قتل کر دیا۔ کیا یہ باتیں خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ کو زیب دیتی ہیں۔ نعوذ باللہ یہ ہرگز خدا تعالیٰ کا بہترین مکر نہیں بلکہ کسی خام فکر کا بدترین مکر ہے جو اپنے پر الٹتا ہے۔ آپ نے اپنے مکر کو خدا تعالےٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذرا بھر خوف نہیں کھایا اور ایسی بے ہودہ اور لغو تدبیر خدا کی طرف منسوب کی ہے کہ جس کا کنایۃً و اشارۃً بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں ذکر

نہیں گویا خدا کا خیر المکر خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ظاہر نہ ہوا شر النّاس پر ظاہر ہو گیا۔

ب:۔ وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ (النسآء ۱۵۸، ۱۵۹)

یہود نے مسیحؑ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے مسیحؑ کا اپنی طرف رفع کیا۔ اس آیت سے بھی مسیحؑ کی حیات ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ رفع کے معنی عربی اور قرآنی محاورہ میں ہمیشہ بلندیٔ درجات اور عزت کے ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ آپ نے اس آیتِ قرآنی کی رُو سے مسیحؑ کی زندگی ثابت کرنے کی نہایت طفلانہ کوشش کی ہے۔ اگر اس آیت کریمہ میں مسیحؑ کے زندہ رہنے کا مضمون بیان ہوتا تو کھُلی صاف بات یہ ہونی چاہیئے تھی کہ یہود مسیحؑ کو قتل کرنے میں یقیناً ناکام ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اُنؑ کو زندہ رکھا۔

اس تمام طویل آیت میں اُن کے ایک جگہ بھی زندہ رہنے کا ذکر نہ فرمانا معنے رکھتا ہے۔ پس خُدا فرما ہی نہیں رہا کہ مسیحؑ کو ہم نے زندہ رکھا۔ آپ زبردستی اس کو زندہ کر رہے ہیں اور ذرا خوف نہیں کھاتے کہ یہ کتنا بڑا گناہ کر رہے ہیں۔

رہا بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ سے آپ کا استنباط تو اوّل تو قتل کا برعکس رفع ہو ہی نہیں سکتا سوائے اس کے درجات کی بلندی مُراد لی جائے کیونکہ دنیا میں کوئی شخص اس بات کو معقول نہیں سمجھے گا کہ فلاں شخص قتل نہیں ہوا لہٰذا آسمان پر چڑھ گیا۔

دوسرا قطعی استنباط اس امر سے یہ ہوتا ہے کہ خُدا تعالےٰ نے یہاں بھی بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَآءِ نہیں فرمایا بلکہ بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ فرما کر آپ کے استنباط کا سب تار و پود بکھیر دیا ہے۔ ایک ایسے روحانی وجود کی طرف جو ہر جگہ موجود ہو جسمی رفع ہو ہی نہیں سکتا۔ صرف روحانی رفع مُراد ہے۔ یعنی قربِ الٰہی اور درجات کی بلندی۔ آپ کے خیال میں کیا خُدا تعالیٰ وہاں موجود نہیں تھا جہاں عیسیٰؑ کو مصلوب کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی؟

خدا کی طرف رفع ہونے سے مسیح کا جسم وہ جگہ چھوڑ کر کسی اور جگہ کیوں روانہ ہو گیا جہاں خدا تعالیٰ حاضر و ناظر اور موجود تھا۔ کاش آپ لوگ قرآنِ کریم کو سمجھنے میں اگر تقویٰ نہیں تو محض عقل سے ہی کام لے لیا کریں تو نہ خود دھوکا کھائیں اور نہ بنی نوع انسان کو دھوکا میں مبتلا کریں۔

کیا آپ کا یہ بھی ایمان ہے کہ قرآنِ کریم نے جس بدنصیب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا[1] اگر ہم چاہتے تو اس کی روحانی صلاحیتوں کی وجہ سے اس کا رفع کر لیتے لیکن وہ (بدنصیب بدبخت) زمین کی طرف جھک گیا۔ کیا آپ اس آیت کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو جسم سمیت اسے آسمان پر اٹھا لے جاتا مگر اس بدبخت نے جسم سمیت زمین کی طرف جھک جانے کو اختیار کر لیا۔

ج:۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (النسآء: ۱۶۰)

آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مسیحؑ کے قربِ قیامت میں آنے کی خبر ہے۔

مولوی صاحب! ذرا سمجھائیے کہ قربِ قیامت میں آنے کی دلیل آپ نے قائم کسطرح کی ہے؟ آیت تو یہ کہہ رہی ہے کہ اہلِ کتاب مسیحؑ کے قتل کے عقیدہ پر اپنی موت تک قائم رہیں گے۔ اس سے مسیحؑ کی زندگی کہاں سے ثابت ہو گئی۔

اگر آپ کی یہ دلیل مان لی جائے کہ تمام یہودیوں نے قربِ قیامت سے قبل حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آنا ہے تو یہ معنے اس آیت کے ہو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ جب سے یہ آیت نازل ہوئی، بیسیوں نسلیں یہودیوں کی پیدا ہوئیں اور مر گئیں اور ایک نسل بھی مسیح علیہ السلام پر کلیۃً ایمان نہ لائی اور مر گئی۔ اگر آپ کی دلیل کو اس طرح من و عن قبول کر بھی لیا جائے تو ایک اور آیتِ قرآنی سے اس کا شدید تصادم ہو گا کیونکہ آپ کے بقول اس آیت کا یہ ترجمہ

---

[1] الاعراف: ۱۷۷

بنے گا کہ (جب مسیح دوبارہ نازل ہو گا تو) اس زمانہ کے اہلِ کتاب تمام تر مسیحؑ کے مرنے سے پہلے پہلے اس پر ایمان لا چکے ہوں گے جبکہ قرآنِ کریم کی دوسری آیت وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا (ترجمہ:۔ اور جو تیرے پیرو ہیں انہیں ان لوگوں پر جو منکر ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا)

واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کر رہی ہے۔ اس واضح اور دو ٹوک اعلان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے منکرین باقی رہیں گے۔ اگرچہ آپ کے ماننے والوں کو ان پر غلبہ رہے گا۔ اسی طرح منکرینِ عیسیٰؑ یعنی یہود کا قیامت تک باقی رہنا قرآنِ کریم کی اس آیت سے بھی ثابت ہے۔ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (المآئدۃ: ۱۵)

ترجمہ:۔ تب ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک عداوت اور سخت دشمنی ڈال دی۔

پس ان صریح الدلالۃ آیات کے مقابل پر آپ کی غلط تفسیر کی کوئی بھی دلیل نہیں رہتی۔ ویسے بھی ایک ایسی تفسیر جس کی صحت کا فیصلہ مستقبل کے حالات سے تعلق رکھتا ہو، فی ذاتہٖ محض ایک ظن ہے جو ہرگز استدلال نہیں کہلا سکتی۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اس آیت میں قَبْلَ مَوْتِهٖ کی دوسری قرائت جو بطور مفسّرہ کے ہے قَبْلَ مَوْتِهِمْ آئی ہے اور تفسیر ابن کثیر کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ قرائت بسندِ صحیح ثابت ہے تو آپ کا استدلال جو مَوْتِهٖ کی ضمیر میں مسیح کا تھا باطل ہوا۔

د:۔ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ۔ (الزخرف: ۶۲)

اس آیت میں اِنَّهٗ کی ضمیر سے مراد آپ نے نزولِ مسیح کو قیامت کی نشانی قرار دیا ہے حالانکہ حسن بصریؒ جیسے مفسّرین نے اِنَّهٗ سے مراد قرآن شریف لیا ہے۔

(تفسیر ابن جریر۔ زیر آیت ھذا)

لہٰذا ۔ پہلی ضرب تو آپ کی دلیل کی قطعیت پر یہ پڑگئی کہ اس آیت کریمہ کی ایک دوسری تفسیر جو آپ سے بہتر لوگوں نے کی ہے آپ کی تفسیر سے متصادم ہے اس لیے اگر گذشتہ زمانہ کے جیّد علماء نے بھی یہ تفسیر کی ہوتی تو اختلافِ تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی ایک تفسیر کو محکم دلیل قرار دینا ہرگز جائز نہیں ۔ ویسے نزولِ مسیحؑ کے ہم بھی قائل ہیں اور وہ صحابہؓ بھی قائل تھے جنہوں نے مجموعی صورت میں جسے اجماع سکوتی کہا جاتا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شہادت دے دی ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل سب انبیاءؑ وفات پا چکے ہیں ۔

پس وفاتِ مسیح کے قطعی طور پر ثابت ہونے کے بعد اس آیتِ کریمہ کی مسیح کے تعلق میں صرف یہی تفسیر ممکن ہے کہ روحانی مسیح یا مثیلِ مسیح کا نازل ہونا قربِ ساعة کی نشانی ہوگا اور ساعة کا معنیٰ وہی کرنا پڑے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق میں اس آیت میں ساعة کا معنیٰ کیا جاتا ہے کہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۔ دیکھو ساعة قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہوگیا ۔ پس جو ساعة قطعی طور پر آج سے چودہ سو سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شق القمر کے وقت قریب آئی تھی ۔ ویسی ہی ساعة کے قرب کی پیشگوئی اس آیت میں کی گئی ہے کہ نزولِ مسیح کے ساتھ ایک دفعہ پھر وہ ساعة قریب آجائے گی ۔ وہ قیامت جو زمین کے تہہ و بالا ہو کر برباد ہونے کی آپ کے دماغ میں ہے اس کا تعلق نہ اس ساعة سے ہے جو چاند کے پھٹنے سے منسلک کی گئی اور نہ اس ساعة سے ہے جسکا ذکر اس زیرِ بحث آیتِ کریمہ میں ہے ۔

ھ : ۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۔ (الصف : ۱۰)

اس آیت سے آپ نے نزولِ مسیح مُراد لے کر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السّلام

کی تائیدی عبارتیں اس تفسیر کے حق میں نقل کی ہیں ۔ اس تکلف کی آپ کو چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ تو خود مسیح موعود ہونے کا ہے اور وہ ان آیات کو اپنے حق میں پیش کر رہے ہیں آپ نے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کی طرح حضرت مرزا صاحب کا آدھا مؤقف نقل کیا ہے ۔

ہمارا آپ کا تو نزاع ہی یہ ہے کہ بموجب الہام الٰہی

”مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق“

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کے طور پر مبعوث فرمایا ۔ پس بار بار آپ کو ہم یاد دہانی کراتے ہیں کہ فیصلہ کن امر محض وفاتِ مسیح یا حیاتِ مسیح کا نزاع ہے ۔ اگر، جیسا کہ قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ وہ وفات شدہ ہے تو اس قسم کے آپ کے دلائل محض ٹامک ٹوئیاں ہیں ۔ نزولِ مسیحؑ کے معنے سوائے اس کے کوئی نہیں ہو سکتے کہ اس دُنیا میں پیدا ہونے والے کسی کو مسیحؑ کے رنگ میں مبعوث کیا جائے اور اس بعثت کا نام نزول قرار پائے ۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چند کہ جسم سمیت آسمان سے نہیں اُتارا گیا بلکہ مبعوث فرمایا گیا ۔ بایں ہمہ آپؐ کے لیے لفظِ نزول سے پیدا ہونے والے اشتباہ کو دور کر دیا گیا ۔ حضرت اقدس سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو بے انتہا بلند ہے ۔ قرآن کریم تو لفظِ نزول ان عام چیزوں کے لیے بھی بیان فرماتا ہے جو زمین پر پیدا ہونے والی اور زمین پر چلنے پھرنے والی بعض حیوانی صورتیں ہیں ۔ فرمایا وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ (الحدید: ۲۶)

وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ (الزمر: ۷)

اب ہم آپ کو کتنی بار سمجھائیں کہ مولوی صاحب! یہ قرآنی محاورہ ہے! یہ قرآنی محاورہ ہے!! یہ قرآنی محاورہ ہے!!! اسے سمجھنے کی کوشش کریں ۔

چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی اتنی بار یہ بات یاد کرائی جائے تو انہیں یاد ہو جاتی ہے

لیکن آپ کے دماغ میں نہ جانے کتنے پردے پڑ چکے ہیں کہ یہ واضح بات بھی اس میں داخل نہیں ہو رہی ۔ نزول سے مراد قرآنی محاورہ میں فائدہ مند چیز کی تخلیق یا بعثت ہے ۔

⑪

حیاتِ مسیح کے سلسلہ میں آپ نے آیت یَاعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ میں الفاظ مُتَوَفِّیْكَ کے تفاسیر میں بیان کردہ بعض معانی کا ذکر کر کے نتیجہ رفع جسمانی نکالا ہے، جو یقیناً آپکی کوتاہ بینی پر دلالت کرتا ہے ۔ لفظ توفّی کے بارہ میں یہ پہلا اصول آپ کیسے بھول گئے کہ باب تفعّل سے یہ لفظ ہو ۔ اللہ فاعل ہو اور ذی روح مفعول ہو تو معنے سوائے موت یا نیند کے (جو موت ہی کی عارضی صورت ہے) اور کوئی معنے نہیں لئے جا سکتے ۔ لیکن اگر موت کی بجائے نیند کے معنے کرنے ہوں تو اس کے لیے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر قرینے کے بغیر متوفی کا لفظ استعمال ہو گا تو مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ سوائے موت کے معنے ہو ہی نہیں سکتے ۔

جہاں تک مفسّرین کی متعدد آراء کا تعلق ہے، انہوں نے بھی دیگر معنے بیان کرنے کے باوجود موت کے معنوں کو نظر انداز نہیں کیا ۔ تاہم ان کے دوسرے معانی کو اپنے عقیدے کی تائید میں اختیار کر لینا آپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ۔ ان کے اس استدلال کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے جس کے مقابل پر یہ اٹل اور غیر مبدّل قانون کھڑا ہو کہ ایک مثال بھی ایسی نظر نہیں آتی کہ خدا تعالیٰ فاعل ہو، ذی روح مفعول ہو اور باب تفعّل میں لفظ متوفّی استعمال کیا گیا ہو تو مُراد موت اور نیند کے سوا کچھ اور ہو ۔

آپ بار بار بھول جاتے ہیں اور بار بار ہم آپ کو یاد دلا رہے ہیں کہ تفاسیر میں جانے سے پہلے آیت کریمہ سے اپنا پیچھا چھڑا لیں جس میں خدا تعالیٰ نے خود اسی لفظ توفّی کی کامل تفسیر بیان فرما دی ہے ۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے ۔

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ......

(الزمر : ۴۳)

ترجمہ : ۔ اللہ ہر شخص کی روح اس کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جس کی موت نہیں آئی (اس کی روح) اس کی نیند کے وقت (قبض کرتا ہے)

پس وہ ذی روح جس کی اللہ تعالیٰ توفّی قرار دے سوائے اس کے کہ اس کا نیند کی حالت میں ہونا ثابت ہو، اس کا مرنا یقینی اور قطعی ثابت ہو جاتا ہے ۔

⑫

آپ کا ایک اور اعتراض قائلینِ وفاتِ مسیحؑ پر ان کی معمولی تعداد اور کم تر مقام ہے ۔ جہاں آپ نے یہ تسلیم کر لیا وہاں آپ کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا ۔ کیونکہ ساری کتاب میں آپ نے یہ شور مچا رکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے لے کر ایک غیر منقطع اجماع چلا آ رہا ہے ۔ کہتے ہیں کہ دروغگو کا حافظہ نہیں ہوتا ۔ اپنی ایک جھوٹی دلیل پر آپ نے خود ایک تبر رکھ دیا جب یہ کہہ دیا کہ ازمنہ اُولیٰ میں ایک تعداد رہی ہے ۔ اگرچہ آپ نے قائلینِ وفاتِ مسیحؑ کو مقام میں کم تر اور تعداد میں معمولی قرار دیا ہے ۔ وہ جتنے بھی ہوں اور جیسے بھی ہوں، ان کے صالح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ۔ پس کہاں گئی آپ کی تعلّی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ سے اب تک اجماع چلا آ رہا ہے ۔

مولوی صاحب! جب گذشتہ اکابرینِ اُمّت کے بارہ میں بات کریں تو ہوش سے بات کیا کریں کہ آپ نے جن لوگوں کو 'معدودے چند' اور 'سر پھرے' لکھا ہے ۔ یاد رکھیں کہ ان میں حضرت ابنِ عربیؒ بھی شامل ہیں اور اسی فہرست میں علامہ ابن الوردیؒ اور شیخ محمد اکرم صابریؒ

اور اسی طرح بعض دیگر مفسّرین اور علماء بھی شامل ہیں جو نزولِ مسیح سے مُراد ہرگز جسمانی نزول نہیں لیتے بلکہ روحانی اور بروزی طور پر کسی دوسرے جسم میں ظاہر ہونے ہی کو نزول قرار دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی زمانہ میں اکثریت کا کسی بات پر جم جانا جسے ہرگز اجماع کی حیثیت حاصل نہیں کیسے دلیل بن سکتا ہے۔ ایسی دلیل کی کوئی بھی شرعی یا عقلی حیثیت نہیں۔ ایک طرف نصوصِ قرآنی آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں، احادیث صحیحہ آپ کو دکھائی جاتی ہیں اور ناقابل تردید عقلی دلائل آپ کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ مگر آپ اکثریت کا ڈھونگ رچا کر اجماع کا دعویٰ کر دیتے ہیں۔ ایسے اجماع کی نصوصِ قرآنیہ کے سامنے کوئی بھی حیثیت نہیں۔ پھر آپ اپنے اجماع کی قلعی خود ہی یہ کہہ کر کھول دیتے ہیں کہ اکثریت اس عقیدہ کی حامل ہے اور پھر اس نام نہاد اکثریت کو نصوصِ قرآنیہ کے خلاف دلیل بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ ہم تو ایسے شخص کو سمجھانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ آپ سے تو خدا ہی سمجھے اور ضرور سمجھے گا۔

آپ نے قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰؑ کے قتلِ دجّال کے عہد کا ذکر کر کے سوال اٹھایا ہے کہ کیا اللہ تعالےٰ کو حضرتِ عیسیٰ سے عہد کرتے وقت معلوم نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں؟

مولوی صاحب آپ کے طرزِ استدلال پر حیرت ہوتی ہے کہ اتنی دور کی کوڑی لانے کی کوشش کی ہے۔ اِن احادیثِ قدسیہ پر آپ کی نظر کیوں نہیں گئی کہ جن کے مطابق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ پیشگوئی فرمائی کہ آخری زمانہ میں مسیح نہ صرف قتلِ دجال کرے گا بلکہ قتلِ خنزیر اور کسرِ صلیب بھی۔

اب ان قطعی شہادات کے بعد آپ جو مسیح تک پہنچے ہیں اور ایسی حدیث لائے ہیں کہ جس کی سند ہی قابلِ اعتبار نہیں۔ اس عبث کوشش کی ضرورت ہی کیا تھی۔ لیکن اصل تو آپ کی اس بوکھلاہٹ پر لطف آیا ہے کہ جو دلیل جماعت احمدیہ اپنے حق کے طور پر پیش کرتی ہے آپ نے اسی کے حق میں ایک اور دلیل پیش کر دی۔

جناب لدھیانوی صاحب! یہی تو بار بار ہم آپ کو اور آپکے ہمنواؤں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ جب خُدا تعالیٰ نے حضرت **محمد** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خبر دی کہ مسیح قتلِ دجّال، قتلِ خنزیر اور کسرِ صلیب کے لیے دنیا میں نازل ہو گا تو نبی اللہ ہو گا تو کیا اللہ تعالےٰ کو علم نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم النبیّین ان معنوں میں ہیں کہ آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی ظاہر نہیں ہو سکتا اور خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن پر یہ آیت خاتم النبیّین نازل ہوئی اس بات پر تعجب کیوں نہ ہوا۔

پس ایک بات تو قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کیونکہ فریقین کو تسلیم ہو چکی ہے۔ آپ کو بھی اور ہمیں بھی کہ جس نبی اللہ عیسیٰؑ کے آنے کی خبر دی گئی ہے وہ نبی اللہ ہی ہو گا۔ اور اس کا آنا خدا تعالےٰ کے نزدیک آیت خاتم النبیّین کے منافی نہیں ہو گا۔

فیصلہ طلب بات اب یہی رہ گئی ہے کہ جس طرح قطعی طور پر آنے والے کا نبی اللہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اسی طرح قطعی طور پر یہ معلوم کیا جائے کہ آنے والا نبی اللہ کیا موسوی اُمّت کا عیسیٰ مسیحؑ بنفسِ نفیس وہی ہو گا جس کے متعلق قرآنِ کریم نے فرمایا ہے کہ رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔ یا اس کی خُو بُو اور مثل بن کر اُمّتِ محمّدیہؐ میں پیدا ہونے والے ایک غلام محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ خطاب اور منصب عطا ہو گا۔ پس آج کے بعد قطعی طور پر تسلیم کر لینے کے بعد کہ آنے والا موعود مسیح لازماً نبی اللہ بھی ہے، آئندہ ہرگز ہم سے ختم نبوت کی بحث نہ چھیڑیں کیونکہ ہمارے اور آپ کے عقیدے میں اس پہلو سے قطعاً کوئی فرق نہیں۔ ھاں جو فرق ہے اس پر جتنی چاہیں بحثیں کریں۔ ہم حاضر ہیں اور ڈنکے کی چوٹ آپ سے اس بارہ میں مباحثہ کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں کہ مسیح ناصریؑ قرآنِ کریم اور دیگر شواہد کی رُو سے فوت ہو چکا ہے یا جسم سمیت زندہ آسمان پر چلا گیا۔

پس اگر ثابت ہو جائے کہ وہ فوت ہو چکا ہے تو لازماً آپ کو ماننا ہو گا کہ جس آنے والے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسیٰ بن مریم نبی اللہ کے لقب سے یاد فرما رہے تھے وہ بطور استعارہ استعمال فرما رہے تھے جیسے کسی بہت بڑے سخی کو حاتم طائی کہہ دیا جاتا ہے یا جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کو خود حضرت مسیح علیہ السلام نے آسمان سے اُترنے والا ایلیاء قرار دیا۔ فرمایا

"وہ ایلیاء جو آنے والا تھا یہی یحییٰ، زکریا کا بیٹا ہے جس کو تم نے شناخت نہیں کیا۔"

(متی باب ۱۷ آیت ۱۰ تا ۱۳)

پس یہ صاف بحث ہے اور اسی سلسلہ میں یہ رسالہ تحریر کیا جا رہا ہے اور ایسے قوی دلائل سے آپ کے طفلانہ دلائل کو توڑا جا رہا ہے کہ اگر آپ میں انصاف کا مادہ ہو تو قرآن و حدیث اور عقلی دلائل کی رو سے جرأت کے ساتھ یہ اعلان کریں کہ یقیناً مسیح عیسیٰ ابن مریم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام نبیوں کی طرح فوت ہو چکا اور آنے والا مسیح اسی کے نام پر اس کی خو پر آنے والا اُمّتِ محمدیہ ہی کا ایک رجلِ عظیم ہو گا جس کو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اللہ کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

مولانا! آپ نے خلط مبحث کر کے خواہ مخواہ قارئین کی توجہ ایک طور پر پھیرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر آپ نے یہی طرز اختیار کی ہے تو یاد رکھیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ یہ قطعی گواہی بہت بڑی فوقیت رکھتی ہے کہ

قُوْلُوْٓا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ

(تکملہ مجمع بحار الانوار المجلد الرابع صفحہ نمبر ۸۵ از مولانا الشیخ محمد طاہرؒ المطبع العالی لمنشی نول کشور)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء تو کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اسی قول کی تشریح میں حضرت امام ابن عربیؒ فرماتے ہیں

فَاِنَّ النُّبُوَّةَ الَّتِىْ انْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا هِىَ نُبُوَّةُ التَّشْرِيْعِ لَا مَقَامُهَا فَلَا شَرْعَ يَكُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَا يَزِيْدُ فِىْ شَرْعِهٖ حُكْمًا آخَرَ وَهٰذَا مَعْنٰى قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِىْ وَلَا نَبِىَّ يَكُوْنُ عَلٰى شَرْعٍ يُخَالِفُ شَرْعِىْ۔

(فتوحاتِ مکیہ۔ الجزء الثانی ص ۳ مطبع دار الکتب العربیہ الکبریٰ۔ مصر۔)

وہ نبوت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے ختم ہوئی ہے وہ صرف شریعت والی نبوت ہے نہ کہ مقامِ نبوت۔ پس اب ایسی شریعت نہیں آسکتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ قرار دے یا آپ کی شریعت میں کوئی حکم زائد کرے۔ یہی معنے اس حدیث کے ہیں کہ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ کہ اب رسالت اور نبوة منقطع ہو گئی۔ میرے بعد رسول ہے نہ نبی۔ یعنی کوئی ایسا نبی نہیں ہو گا جو ایسی شریعت پر ہو جو میری شریعت کے خلاف ہو بلکہ جب کبھی نبی آئے گا تو وہ میری شریعت کے تابع ہو گا"!

- شیخ ابو عبداللہ محمد بن علی بن الحسن الحکیم الترمذی لکھتے ہیں:۔

فَاِنَّ الَّذِىْ عَمِىَ عَنْ خَبَرِ هٰذَا يَظُنُّ اَنَّ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ تَاْوِيْلُهٗ اَنَّهٗ آخِرُهُمْ مَبْعَثًا فَاَىُّ مَنْقَبَةٍ فِىْ هٰذَا؟ وَاَىُّ عِلْمٍ فِىْ هٰذَا؟ هٰذَا تَاْوِيْلُ الْبُلْهِ الْجَهَلَةِ!

(ختم الاولیاء تالیف شیخ ابو عبداللہ محمد بن علی بن الحسن الحکیم الترمذی۔ المطبع الکاثولیکیۃ بیروت صفحہ نمبر ۳۴۱)

ترجمہ:۔ پس یقیناً وہ لوگ جو خاتم النبیین کے معنیٰ سے نابلد ہیں خیال کرتے ہیں کہ خاتم النبیین کے محض یہ معنیٰ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے لحاظ سے آخری نبی ہیں۔ بھلا اس میں فضیلت کی کون سی بات ہے؟ اور معرفت کا کیا نکتہ ہے؟ یہ تو نادان اور بے وقوف لوگوں

کی تشریح ہوسکتی ہے۔

- عارف ربانی حضرت عبدالکریم جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔

فَانْقَطَعَ حُکْمُ نُبُوَّۃِ التَّشْرِیْعِ بَعْدَہٗ وَکَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ لِاَنَّہٗ جَاءَ بِالْکَمَالِ وَلَمْ یَجِیْٔ اَحَدٌ بِذٰلِکَ۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوتِ تشریعی بند ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین قرار پائے کیونکہ آپؐ ایک ایسی کامل شریعت لے آئے جو اور کوئی نبی نہ لایا۔"

("الانسان الکامل" جلد ۱ صـ۷۶۔ مطبوعہ دارالکتب العربیہ الکبریٰ۔ مصر۔)

- حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ (م۔ ۱۱۷۶ھ)

"خُتِمَ بِہِ النَّبِیُّوْنَ اَیْ لَا یُوْجَدُ مَنْ یَأْمُرُہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِالتَّشْرِیْعِ عَلَی النَّاسِ۔"

(تفہیماتِ الٰہیہ۔ جلد ۲ صـ۷۲۔ مطبوعہ مدینہ برقی پریس بجنور۔ یوپی بھارت)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے شریعت دے کر مامور کرے۔"

۱۳

آپ نے علامہ ابن حجر کے اصابہ کے اس حوالہ کو سب سے مقدّم رکھا ہے کہ ایسے نبی کی نفی نہیں ہوتی جو آپ سے پہلے منصب نبوت پر سرفراز ہو چکا ہو۔ حالانکہ ابنِ حجر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیمؓ کی نبوت کے قائل ہیں اور یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ابراہیمؓ کی تدفین کے وقت فرمایا کہ یہ خود بھی نبی تھا اور نبی کا بیٹا۔ پھر ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابراہیم کو عیسیٰ و یحییٰ کی طرح بچپن میں نبوت مل گئی تھی اور پھر اس کی تائید میں یہ حدیث لکھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ مَیں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم روح اور جسم کے مابین تھے جسم کی تخلیق نہ ہوئی تھی محض روح تھی۔ پس اگر رسول اللہ آدم کی تخلیق سے قبل نبی تھے تو اسی طرح ابراہیم کی نبوت کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

(فتاویٰ حدیثیہ ابن حجر صـ۱۲۹ مطبع مصطفےٰ البابی الحلبی مصر ۱۹۷۰ء)

پس ابنِ حجر کے پیش کردہ ان قطعی دلائل کے بعد ان کی طرف کوئی دوسرا عقیدہ منسوب کرنا واضح طور پر ناانصافی ہے اور زیادتی ہے۔ اگر بالفرض ان کا کوئی اور عقیدہ تھا بھی تو حضرت ابراہیم فرزند حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بالصراحت اعلان کر کے وہ یقیناً اپنے مخالف عقیدہ کی نفی کر دیتے ہیں اور ایسے مضبوط دلائل اس عقیدہ کے حق میں لاتے ہیں کہ دوسری جگہ بیان شدہ بات محض ایک مفروضہ دکھائی دیتا ہے

اسی حدیث کہ "ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے" کی تشریح میں آپکی اپنی فقہ حنفی کے امام حضرت ملّا علی قاریؒ فرماتے ہیں:۔

"یہ حدیث خاتم النّبیین کے خلاف نہیں کیونکہ خاتم النّبیین کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے بعد ایسا نبی نہیں آ سکتا جو آپ کی شریعت منسوخ کرے اور آپ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔"

(موضوعاتِ کبیر۔ ملّا علی قاری صـ۶۹ مطبع محمدی لاہور)

اب فرمائیے کہ کیا مسیح غیر اُمّت کا نبی نہیں۔ اور کیا ملّا علی قاریؒ نے آیت خاتم النّبیین کی یہ تشریح کرنے کے بعد کہ اس آیت سے مراد صرف یہ ہے کہ اُمّتِ محمدیہ میں کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا جو شریعتِ محمدیہ کی تنسیخ کرنے والا ہو اور آپ کے تابع نہ ہو، سو فی صدی احمدی عقیدہ کی تائید نہیں کر دی اور کیا اس "جرم" کی وجہ سے آپ کی قبیل کے علماء قطعی طور پر انہیں غیر مسلم اور دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی جرأت کریں گے؟

ختمِ نبوّت کے اس معنی کی وضاحت بزرگانِ سلف کے ایک گروہ عظیم نے کی ہے جس میں علامہ حکیم ترمذیؒ، سید عبدالکریم جیلانیؒ، علامہ ابن عربیؒ، علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ، علامہ قمیؒ، حضرت عبدالقادر جیلانیؒ، علامہ تورپشتیؒ، علامہ عبدالرحمانؒ جامی وغیرہم شامل ہیں۔

اسی طرح فتویٰ دیتے وقت ان بزرگانِ اُمّت کو فتویٰ میں شامل فرمالیجیے جنہوں نے بعینہٖ یہی معنے ختمِ نبوت کے سمجھے کہ شریعت کو منسوخ کرنے والا کوئی نہیں آسکتا۔ ھاں اُمّت کے اندر شریعت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع نبی آنا خارج از امکان نہیں۔

اختصار کی خاطر اور آپ کی تسلّی کے لیے دو اقتباسات بطور مثال پیش ہیں۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:۔

"خاتم المرسلین کی بعثت کے بعد بطریقِ وراثت و تبعیت آپ کے پیرو کاروں کو کمالاتِ نبوت کا حصول آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں۔ لہٰذا تُو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو"

(اردو ترجمہ مکتوبات دفتر اوّل حصہ پنجم صـ۸۷ مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی)

دوسرا حوالہ آپ کے اپنے پیر و مُرشد و بانیٔ دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کا ہے جو حضرت امام مجدد الف ثانیؒ کے حوالہ سے بہت زیادہ واضح اور قطعی نوعیت کا ہے۔

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدیؐ میں کچھ فرق نہ آئے گا"

(تحذیر الناس صـ۲۸۔ از مولانا محمد قاسم نانوتوی مطبوعہ خیر خواہ سرکار پریس)

مولوی صاحب! ختمِ نبوّت کی بحث کو ساتھ شامل کرکے آپ نے عوام النّاس کو دھوکہ دینے کی بالکل بے معنی اور لایعنی کوشش کی ہے۔ خصوصاً اسی صورت میں جب لَانَبِیَّ بَعْدِیْ میں لا کو آپ لوگ لانفی جنس قرار دینے پر خوب تقریریں کرتے ہیں اور خوب اصرار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اشتباہ کا امکان رکھے بغیر یہ بات کھول کر پیش فرما دی ہے کہ "میرے بعد

کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا" ایسی صورت میں پرانی قسم کا نبی ہو یا نئی کا، لانفی جنس کے ہوتے ہوئے، کوئی بھی نہیں آسکتا۔ تو کہاں گئے وہ آپ کے فرضی دوبارہ آنے والے عیسیٰؑ اگر وہ دوبارہ آئیں تو کسی قسم کے نبی تو بہرحال رہیں گے۔

مولوی صاحب! یاد رکھیئے کہ قرآن کریم خصوصیّت کے ساتھ صرف ایسے نبی کے پیدا ہونے کے امکان کو باقی رکھتا ہے جو اُمّتِ محمدیہ میں سے ہو اور اس نے جو کچھ فیض پایا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نہ کہ کسی غیر نبی سے۔ کیا آپ نے اس آیت کا کبھی مطالعہ نہیں فرمایا۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ
وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (النسآء : ۷۰)

ترجمہ:۔ اور جو (لوگ بھی) اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ اُن لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاءؑ اور صدیقین اور شہداء اور صالحین (میں) اور یہ لوگ (بہت ہی) اچھے رفیق ہیں۔

بہرحال چونکہ آپ نے خلط مبحث کیا تھا اس لیے ہم بھی ذرا اصل مضمون سے ہٹ کر چند قدم آپ کے ساتھ چلے تاکہ آپ کو بتایا جائے کہ آپ پر ہر راہ بند ہے۔ اب اصل مضمون کی طرف یعنی وفات یا حیات مسیحؑ کی طرف لوٹتے ہوئے آخر میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو سب سے بڑا اختلاف اور جُداگانہ نظریہ سمجھا جاتا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا آسمان پر دو ہزار سال سے زندہ رہنا اور اُمّتِ محمدیّہ کی اصلاح کے لیے دوبارہ آنا ہے۔ جب یہ مسئلہ حل ہوگا تو پھر سارے مسائل خود بخود ختم ہوجائیں گے، اور ختمِ نبوّت کی سچی اور حقیقی تشریح بھی اس مسئلہ کے بعد ظاہر ہوگی۔ کیونکہ اگر یہ قطعی طور پر ثابت ہوجائے گا کہ عیسیٰؑ زندہ آسمان پر ہیں

تو لازماً وہی آئیں گے اور آخرین میں ظاہر ہونے والے وہی ہوں گے اور اگر اس کے برعکس قطعی طور پر ان کا فوت ہونا ثابت ہو جائے اور زندہ آسمان پر جانے کو ڈھکوسلہ ثابت کر دیا جائے تو وہ وجود جس کا نبی ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے لازماً اس کی مَثَل ہوگا نہ کہ بعینہٖ وہ خود۔ یہی وجہ ہے کہ نزول کے سب ہی قائل ہیں لیکن جسمانی رفع کے سب قائل نہیں ۔ بس اس منظر میں سارے جھگڑوں کا واحد حل اسی وفات و حیات کے جھگڑے میں مضمر ہے ۔ اور کوئی اختلافی مسئلہ باقی نہیں رہتا ۔ یہی وہ روک ہے جس کے دُور ہوتے ہی سارے مسلمان فرقے ایک ہاتھ پر جمع ہو کر توحید کے قیام کے لیے ، خدمتِ اسلام کے لیے اور غلبۂ دینِ متین کے لیے کام کریں گے ۔ اب وہ دن قریب ہیں جب ہر مسلمان عقیدۂ حیاتِ عیسیٰؑ سے بیزار و مایوس ہو جائے گا ۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السّلام بڑی تحدّی کے ساتھ پیش گوئی فرماتے ہیں کہ :

> ”یاد رکھو ، کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا ۔ ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی ان میں سے عیسیٰ ابنِ مریمؑ کو آسمان سے اُترتا نہیں دیکھے گا اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے کوئی عیسیٰ ابنِ مریمؑ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی ، اور پھر اُولاد کی اُولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی ۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گزر گیا اور دُنیا دوسرے رنگ میں آ گئی مگر مریم کا بیٹا اب تک آسمان سے نہ اُترا ۔ تب دانشمند یکدفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے ۔“

(تذکرۃ الشہادتین صـ۶۵ مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

پس اس بنیادی اختلاف کے پیشِ نظر ایک اور واضح ، کھلا اور انتہائی حقیقت پسندانہ

اعلان سیّدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع و امام جماعت احمدیہ کی طرف سے ،؍ اپریل ۱۹۸۵ء کو بمقام لندن جلسہ سالانہ کے موقعہ پر فرمایا گیا تھا ۔ جس کی طرف آپ نے نہ خود نظر کی اور نہ عوام النّاس کو اس طرف راہنمائی کی ۔ پس کیا عجب کہ اپنے مزعومہ مسیحؑ کی آمد سے مایوس ہو چکے ہوں ۔ ہم اس پُر شوکت اور پر تحدّی اعلان کی طرف ایک دفعہ پھر آپ کی توجہ مبذول کراتے ہیں کہ :

> ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم تواتر کے ساتھ ان کے (یعنی عیسیٰؑ) کے آنے کی خبر دے رہے ہیں ۔ اس لیے تمہیں فیصلہ کرنا پڑے گا کہ اپنے بیتۃ منکرینِ اسلام کے پیچھے چلو گے یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلو گے اور آنے والا وہ مسیح اختیار کرو گے جس کو امّتِ موسوی سے نسبت ہے اور امّتِ محمّدیہ سے اس کو کوئی نسبت نہیں ۔ یا وہ مسیح اختیار کرو گے جو امّتِ محمّدیہ میں پیدا ہوا ، اسی امّت سے نسبت رکھتا ہے اور محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہی غلام ہے ۔
>
> اب فیصلہ یہ کرنا ہے کہ موسوی مسیح پر امّت راضی ہو گی یا محمدی مسیح پر ۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تو مسیحِ محمدی پر راضی ہو گئے ہیں اور جہاں تک مسیح کے مقام کا تعلق ہے ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے جو تمہارا ہے کہ امّتِ محمدیہ میں آخرین میں جس مسیح نے آنا ہے وہ شریعتِ محمدیہ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کامل طور پر مطیع اور اُمّتی نبی ہو گا ۔ اس مسیح کے مقام کے بارہ میں ہمارا امرِ مو کوئی اختلاف نہیں ۔ یہ بات ہم قطعی طور پر یقینی سمجھتے ہیں اور تم بھی یقینی سمجھتے ہو کہ آنے والا لازماً امتی نبی ہو گا اور اس بات میں اختلاف ہی کوئی نہیں ۔ اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ آخرین میں ظاہر ہونیوالا موسوی امّت سے تعلّق رکھنے والا مسیح ہے یا امّتِ محمدیہ میں عیسیٰ بن مریم کے مَثَل کے طور پر پیدا ہونے والا امتی نبی ؟ تمہارا اپنا عقیدہ ہے اور مسلّمہ

عقیدہ ہے

کہ جو شخص بھی مسیح کے نام پر آئے گا وہ لازماً نبی اللہ ہوگا۔ پرانا آئے گا یا نیا آئے گا یہ ایک الگ بحث ہے اور تمہارے اپنے بڑے بڑے علماء، تمہارے اپنے مفکرین یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ وہ ہوگا یقیناً

(۱) نبی اللہ ـــــــــــ اور اسے نبوت سے عاری ماننے والا کافر ہوگا بلکہ بعض عظیم بزرگوں نے یہ تسلیم کیا کہ

(۲) پرانا نہیں ہوگا ـــــــــــ بلکہ بدنِ آخر سے متعلق ہو کر آئے گا یعنی پہلا جسم نہیں بلکہ دوسرا کوئی شخص ظہور کرے گا اور پھر یہ بھی خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ مہدیؑ اور عیسیٰؑ دو الگ الگ وجود نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی وجود کے دو نام ہوں گے۔ لَا الْمَهْدِیُّ اِلَّا عِیْسٰی کا فرمانِ نبویؐ اس پر شاہدِ ناطق ہے "

فرمایا

"تم ناکام رہے ہو اور .... ناکام رہو گے ...... اور کبھی عیسیٰ بن مریم کو جو موسیٰ علیہ السّلام کی امت کے نبی تھے زندہ نہیں کر سکو گے اور اگر وہ تمہارے خیال میں آسمان پر بیٹھے ہیں تو ہرگز تمہیں توفیق نہیں ملے گی کہ ان کو آسمان سے اُتار کر دکھا دو۔ نسلاً بعد نسلٍ تم ان کا انتظار کرتے رہو مگر خدا کی قسم تمہاری یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی۔"

اس بارہ میں امام جماعت احمدیہ کے مذکورہ بالا خطاب میں تمام دنیا کے معاندین کو جو چیلنج دیا گیا تھا، آج تک آپ لوگوں کو قبول کرنے کی توفیق نہیں مل سکی۔ وہ چیلنج یہ تھا کہ اگر پرانے عیسیٰؑ نے ہی امت کی راہنمائی کرنی ہے تو پورا زور لگاؤ۔ دعائیں کرو، سجدوں میں گریہ وزاری کرو اور جس طرح بن پڑے مسیحؑ کو ایک دفعہ آسمان سے نیچے اُتار دو تو پھر یہ جھگڑا ایک دفعہ ختم ہو جائے گا اور ایسا عظیم الشان معجزہ دیکھ کر احمدی آنیوالے کو قبول کرنے میں تم پر بھی سبقت لے جائیں گے لیکن یاد رکھو! ناممکن اور محال ہے اور ہرگز کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ جو شخص آسمان پر چڑھا ہی نہ ہو اور دیگر انبیاء کی طرح طبعی موت سے فوت ہو چکا ہو وہ جسم سمیت آسمان سے نازل ہو جائے۔

سر کو پیٹو آسماں سے اب کوئی آتا نہیں
عمرِ دنیا سے بھی اب تو آگیا ہفتم ہزار

قارئین کرام! قرآنِ کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وفات کے بارہ میں کثرت سے قطعی ثبوت پیش فرمائے ہیں لیکن طوالت کے ڈر سے ہم آپ کی خدمت میں صرف یہ دو آیات پیش کرتے ہیں جو دو برہنہ سونتی ہوئی تلواروں کی طرح ہیں جو قرآنی بیان کے خلاف ہر کھڑے ہونے والے کا سر کاٹنے کے لیے تیار ہیں اور وہ یہ ہیں:-

پہلی آیت

حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی وفات کی خبر دینے والی آیات میں سے ایک واضح آیت یہ ہے:-

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ؕ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ

(سورۃ مائدہ رکوع ۱۰۔ پارہ ۶۔ رکوع نمبر ۱۴)

ترجمہ:- مسیح ابنِ مریم سوائے ایک رسول کے اور کچھ نہ تھے اور ان سے قبل تمام رسول گذر چکے

ان کی والدہ راستباز تھیں وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔

اب دیکھئے اس آیت سے کتنے واضح طور پر حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ پہلے فرمایا کہ مسیح ابن مریمؑ ایک رسول کے سوا کچھ نہ تھے پھر ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ ان سے قبل تمام رسول گذر چکے ہیں۔ گویا حضرت عیسےٰؑ کی وفات پر ایک ناقابلِ ردّ دلیل پیش کر دی یہ ویسی ہی طرزِ کلام ہے جیسے کوئی کہے کہ زید ایک انسان کے سوا کچھ نہیں اور سب انسان مٹی کے بنے ہوتے ہیں۔ پس جس طرح اس فقرے سے ثابت ہوتا ہے کہ لازماً زید بھی مٹی کا بنا ہؤا ہے اسی طرح مذکورہ بالا آیت سے حضرت مسیحؑ کی وفات ثابت ہو جاتی ہے۔ بصُورتِ دیگر آپ کو رسولوں کے مقدّس گروہ سے کوئی الگ چیز ماننا پڑے گا جو ظاہراً غلط ہے۔

قرآنِ کریم اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتا ہے۔ کہ اس کی (یعنی مسیح کی) والدہ راست باز تھیں اور وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ اب تک زندہ موجود ہوتے تو کیا ان کے متعلّق کھانا کھایا کرتے تھے کے الفاظ آنے چاہیئے تھے؟ یقیناً نہیں بلکہ ایسی صورت میں تو چاہیئے تھا کہ حضرت مسیحؑ کا ذکر حضرت مریمؑ سے الگ کر کے یہ فرمایا جاتا کہ (حضرت) مریم کھانا کھایا کرتی تھیں۔ مسیح اب تک کھاتے ہیں اور وفات کے دن تک کھاتے رہیں گے۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ پس حضرت مسیحؑ کو بھی حضرت مریمؑ کے ساتھ ملا کر ایک گذرے ہوئے زمانے کے انسان کے طور پر آپ کا ذکر فرمانے سے اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت مسیحؑ ایک رسول سے بڑھ کر رتبہ نہیں رکھتے تھے اور جس طرح دوسرے رسول فوت ہوئے آپ بھی فوت ہوئے اور جس طرح باقی کھانا کھانے کے حاجتمند تھے آپ بھی کھانا کھانے کے حاجتمند تھے اور کھانے کے بغیر ہی زندہ رہنے کی کوئی خدائی صفت ان میں موجود نہ تھی۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے بھی کوئی اگر حضرت مسیحؑ کو زندہ مانے تو یہ محض اس کی زبردستی ہوگی۔

بعض عجیب تاویلیں

بعض لوگ اس آیت کی زد سے حضرت عیسےٰؑ کو بچانے کے لیے عجیب عجیب تاویلیں کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں یہ تو فرمایا ہے کہ حضرت مسیحؑ سے پہلے تمام رسُول گذر گئے یہ نہیں فرمایا کہ خود حضرت مسیحؑ بھی گذر گئے۔ افسوس کہ وہ ذرا بھی اس طرزِ کلام پر غور نہیں کرتے۔ ادنیٰ سی زبان دانی سے بھی یہ بات سمجھ آجانی چاہیئے کہ حضرت مسیحؑ کو زمرۂ رسل میں شامل کر کے جب سب رسولوں کے گذرنے کی خبر دی جارہی ہے تو اس کے بعد حضرت مسیحؑ کا زندہ رہ جانا ایک امرِ محال ہے لیکن اگر کوئی صاحب اب بھی یہ اصرار فرمائیں کہ اس آیت سے صرف حضرت مسیح سے پہلے انبیاء کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ حضرت مسیحؑ کی نہیں۔ تو ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ لِلّٰہ انصافاً غور کر کے فرمائیں کہ اس صورت میں ذیل کی دوسری آیت سے کیا ثابت ہوگا۔

دوسری آیت

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ
اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ

(آل عمران رکوع ۱۵ پارہ ۴ رکوع ٦)

ترجمہ:۔ نہیں محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) مگر ایک رسول اُن سے قبل تمام رسول فوت ہو چکے پس اگر یہ بھی فوت ہو جائیں یا قتل کیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟

اب فرمایئے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کیسے اس آیت کی زد سے بچ سکتے ہیں؟ کیونکہ اگر وہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھے اور آپ جانتے ہیں کہ پہلے ہی

تھے تو لازماً ان کی وفات تسلیم کرنی پڑے گی۔ کیونکہ واضح طور پر یہ آیت بتا رہی ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل تمام رسول فوت ہو چکے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض علماء اب بھی ضد سے کام لیتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اللہ تعالےٰ کا منشاء اختیار کرتے ہوئے قرآن کریم کے اس واضح ارشاد کے سامنے سر جھکا دیں۔ اور اپنی غلطی و جرأت اور دیانتداری کیساتھ تسلیم کرلیں وہ اس آیت کی بھی عجیب و غریب تاویل شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہدیتے ہیں کہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل میں جو لفظ "خَلَتْ" استعمال ہوا ہے اس کا مطلب صرف مر جانا ہی نہیں بلکہ ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا بھی ہے۔ اس لیے ہم اس کا یہ مطلب نکالیں گے کہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے رسول تھے وہ سب یا تو مر گئے یا اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔ لیکن ہم ناظرین پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ محض ایک زبردستی ہے ورنہ عربی میں جب بھی کسی انسان کے متعلق مطلق طور پر یہ لفظ "خلا" استعمال ہو تو اسکا مطلب موت ہی ہوا کرتا ہے جگہ چھوڑنا نہیں عجیب اتفاق ہے کہ عربی کی طرح انگریزی اور اُردو محاورہ میں بھی گذر گیا کے الفاظ ان دونوں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں یعنی رستے پر سے گذر جانا اور مرجانا۔ لیکن جب ہم یہ کہیں کہ گذشتہ تمام انبیاء گذر گئے تو یہ معنے کرنے محض مذاق ہوں گے کہ بعض انبیاءؑ تو فوت ہو گئے اور بعض رستوں پر سے گذر گئے۔ یا ایک جگہ سے چل کر کسی دوسری جگہ جا پہنچے۔ یہ محض ایک دعویٰ نہیں بلکہ عربی لغت واضح طور پر گواہی دے رہی ہے کہ جب مطلقاً کسی کے متعلق "خلا" کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے مراد اُس شخص کی موت ہوتی ہے۔ دیکھئے (۱) تاج العروس میں لکھا ہے "خَلَا فُلَانٌ" "اِذَا مَاتَ" یعنی جب کہا جائے کہ فلاں شخص گذر گیا۔ تو مُراد یہ ہوتی ہے کہ مَر گیا۔ لغت ہی نہیں بلکہ تفاسیر بھی اس آیت میں "خلا" سے مراد زندگی کا ختم ہونا ہی بیان کرتی ہیں۔ جیسا کہ تفسیر القونوی علی البیضاوی جلد ۳ و تفسیر خازن جلد ۱ میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے

لکھا ہے کہ وَيَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح دارِ فانی سے کوچ کر جائیں گے جس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام طبعی موت یا قتل کے ذریعہ گذر گئے۱؎۔ پس ثابت ہؤا کہ موت کے علاوہ اس لفظ کے کچھ اور معنے کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور اس آیت کے ہوتے ہوئے یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام اس آیت کے نزول کے وقت تک زندہ موجود تھے۔ کیا کسی کی عقل میں یہ بات آ سکتی ہے کہ وہی لفظ جو صاف صاف ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کی موت کی خبر دے رہا ہو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی دفعہ یکدم اپنے معنے ایسے تبدیل کرے کہ مارنے کی بجائے آسمان پر لے جا بٹھائے۔ اگر اسی طرح الفاظ گرگٹ کی طرح اپنے رنگ بدلنے لگیں تو پھر تو ہر بات کا ہر مطلب نکالا جا سکتا ہے۔ موت سے مُراد زندگی اور زندگی سے موت مراد لی جا سکتی ہے۔ عالم کو جاہل اور جاہل کو عالم بنایا جا سکتا ہے رات کو دن اور دن کو رات کہا جا سکتا ہے غرضیکہ جہانِ معانی میں وہ طوفانِ بے تمیزی برپا ہو اور ایسا اندھیر آئے کہ ھاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے!

صحابہؓ کی گواھی

اگر ابھی بھی کسی صاحب کی پوری طرح تسلّی نہ ہوئی ہو۔ تو ان کی تسلّی کی خاطر صحابہ رضوان اللہ علیہم کی بھی ایک ناقابلِ ردّ گواہی پیش کی جاتی ہے جس کے بعد اس امر میں ایک ذرّہ بھر بھی شک نہیں رہتا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے نزدیک بھی آیت "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" کا مطلب یہی تھا کہ

۱؎ مزید دیکھیں الشہاب علی البیضاوی جلد ۳ ص۶۶ تفسیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ اِلَی الآخر۔ دار صادر بیروت۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے رسول تھے سب فوت ہو چکے اور کوئی بھی زندہ آسمان پر موجود نہیں۔ کتبِ تاریخ اور معتبر احادیث میں یہ واقعہ درج ہے جسے امام بخاریؒ[1] نے بھی نقل فرمایا ہے کہ جب حضرت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ تو صحابہ غم کے مارے دیوانوں کی طرح ہو گئے یہاں تک کہ بعض کو یقین نہ آتا تھا کہ انکا محبوب آقاؐ ان سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گیا ہے۔ اس شدید غم کی کیفیت سے متاثر ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت شدہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اور تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو شخص بھی یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے مَیں تلوار سے اس کی گردن اُڑا دُونگا۔ آپؐ ہرگز فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کیلئے اپنی قوم سے الگ ہو کر خدا تعالےٰ سے مناجات کرنے گئے تھے اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عارضی طور پر ہم سے جُدا ہوئے ہیں اور واپس تشریف لے آئیں گے۔ اس صورت حال میں بعض صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف آدمی دوڑائے۔ جب آپ تشریف لائے تو سیدنا و مولانا حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعشِ مبارک کے پاس حاضر ہوئے جو سفید کپڑے میں لپٹی پڑی تھی۔ اس مبارک چہرے سے کپڑا اٹھایا اور یہ دیکھ کر کہ واقعی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جھک کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور عرض کیا کہ خدا تعالےٰ آپؐ پر دو موتیں اکٹھی نہیں کرے گا۔ یعنی یہ کہ آپ مرکر پھر زندہ اور زندہ ہو کر پھر نہیں مریں گے یا معنوی لحاظ سے یہ مراد ہو گی کہ آپؐ کا جسم تو مر گیا لیکن آپ کا دین ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بہر حال یہ کہکر آپ روتے ہوئے باہر صحابہؓ کے مجمع میں تشریف لائے اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر بعض آیات کی تلاوت کی جن میں سے پہلی یہ

---

[1] بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ ص ۶۴۰۔ الجزء الثانی

تھی کہ:۔

"وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ
مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ"

(آلِ عمران ع۱۵ پارہ۔۴ رکوع ۶)

یعنی نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر خدا کے رسول۔ ان سے پہلے جتنے رسول تھے سب گذر گئے۔ پھر اگر آپؐ بھی وفات پا جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ روایت آتی ہے کہ اس آیت کو سُنتے ہی صحابہؓ کو یقین ہو گیا کہ حضرت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ کا تو یہ حال ہوا کہ صدمہ کی شدت سے نیم جان ہو گئے گھٹنوں میں سکت باقی نہ رہی اور لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑے۔ صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یوں محسوس ہؤا جیسے یہ آیت پہلی مرتبہ نازل ہوئی ہو یعنی اس کا یہ مفہوم پہلی مرتبہ ہم پر روشن ہوا کہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کی طرح وفات پا جائیں گے۔

پھر کیا ہمیں علماء سے یہ پوچھنے کا حق نہیں کہ اگر اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ جس طرح رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل تمام نبی فوت ہو گئے اسی طرح رسُولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی وفات پا جائیں گے تو کیوں حضرت عمرؓ اور ان کے ہم خیال صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے تلواریں سونتتے ہوئے یہ سوال نہ کیا کہ جس آیت کی رُو سے تم سیدِ وُلدِ آدم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دیتے ہو وہ تو ایک ادنیٰ شان کے نبی یعنی مسیح ناصریؑ کو بھی مارنے کی طاقت نہیں رکھتی اگر وہ اس آیت کے باوجود زندہ آسمان پر چڑھ سکتے ہیں تو کیوں ہمارا آقاؐ ایسا نہیں کر سکتا جو فخرِ دو عالم تھا اور سب نبیوں کی سرداری اسے عطا ہوئی تھی یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مقصودِ عالم کہ جس کی خاطر کائنات کو پیدا کیا گیا اُسے تو یہ آیت مار کر زیرِ زمین سُلا دے اور ایک ادنیٰ شان کے نبی کو جو اس کی غلامی پر فخر

کرنے کے لائق تھا جسم سمیت زندہ اٹھا کر چوتھے آسمان پر لے جا بٹھائے ؟ لیکن ایسا نہیں ہوا اور کسی ایک صحابیؓ کی زبان پر بھی یہ اعتراض نہ آیا ۔ ان میں ابوبکرؓ بھی تھے اور عمرؓ بھی اور عثمانؓ بھی اور علیؓ بھی اور پھر عائشہؓ بھی انہی میں تھیں ۔ اور فاطمۃ الزہراءؓ بھی ۔ یہ سب عشاقِ رسول اس وقت موجود تھے لیکن کسی ایک نے بھی تو اعتراض کے لب نہیں کھولے اور سب نے اپنے مولا کی رضا اور اس کی قضاء کے حضور روتے روتے سر جھکا دیئے !! قرآن کا ہر فیصلہ ان کے لیے ناطق اور آخری تھا ! اللہ اللہ صحابہؓ کے تقویٰ اور رُوحِ اطاعت کی کیا شان تھی !!! ایک طرف تو وفورِ عشق کا یہ عالم کہ اپنے محبوب رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کا تصور بھی برداشت نہ تھا ۔ اور ہاتھ اُٹھ اُٹھ کر تلواروں کے قبضوں پر پڑتے تھے ۔ کہ جو کوئی اس رسول کی وفات کی خبر زبان پر لائے گا ۔ اس کا سر تن سے جُدا کر دیا جائے گا ۔ پھر کہاں اطاعتِ خداوندی کا یہ بے مثال منظر کہ قرآن کے ایک چھوٹے سے کلمے کی خاطر بے چون وچرا اُسی رسول کی جُدائی برداشت کر گئے کہ جسے زندہ رکھنے کی خاطر ان میں سے ہر ایک کو ہزار جانیں بھی دینی پڑتیں ۔ صد ہزار بار بھی مرنا پڑتا تو دریغ نہ کرتے دیکھو دیکھو کلامِ الٰہی کے ان چند الفاظ نے کیسا تغیرِ عظیم برپا کیا ۔ کہ وہ عشاق جو چند لمحے پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر زبان پر لانے والوں کی جان کے درپے تھے ۔ خود ان کی اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور قوی ہیکل جوان غم واندوہ کی شدت سے پچھاڑ کھا کر زمین پر گرے ! لیکن یہ وہم تک کسی کے دل میں نہ گذرا کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی آیت کی تاویل اپنی مرضی کے مطابق کر لیں ۔ اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تسلیم کرنے سے انکار کر دیں !!! پھر دیکھو آجکل کے علماء کو کیا ہو گیا !!! کیوں ان کی محبت کے دھارے رسولِ مکی ومدنی سے رُخ موڑ کر مسیحِ ناصریؑ کی جانب بہنے لگے اور کیوں بنی اسرائیل کے اس گذرے ہوئے رسول کی محبت میں ایسے حد سے گذر گئے کہ قرآن کے واضح ارشادات کو بھی پسِ پُشت ڈالنے کی جرأت کرنے لگے .... یہانتک کہ جن الفاظ میں یہ علماء

خود بھی مانتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر دی تھی ۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کے وہی بعینہٖ وہی الفاظ جب مسیحِ ناصری کے حق میں استعمال ہوئے تو اس آیت کے معنے کچھ اَور کرنے لگے ۔ کاش وہ حسان بن ثابتؓ کی اندھی مگر پُر بصیرت آنکھ ہی سے عرب میں ظاہر ہونے والے اُس نور کو دیکھنے کی قدرت رکھتے اور اس انسانِ کامل کے حُسن کو سراہنا جانتے ۔ کہ جو مجسم نور تھا اور جس نے صحابہؓ کے قلوب کو کمالِ حُسن سے شیفتہ و فریفتہ کر رکھا تھا ۔ کاش وہ حسانؓ بن ثابت کے ہمنوا ہو کر فخرِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہہ سکتے ۔

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِي ۔ فَعَمِيَ عَلَيْكَ النَّاظِرُ
مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ ۔ فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ

کہ اے میرے محبوب تُو تو میری آنکھ کی پُتلی تھا ۔ پس آج میری آنکھ کی پُتلی
تیری وفات سے اندھی ہو گئی ۔ اب تیرے بعد جو چاہے مرتا پھرے ۔ مجھے
تو اِک تیری ہی موت کا ڈر تھا ۔

یہ وہ شعر ہیں جو ایک نابینا شاعر حضرت حسان بن ثابتؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پہ آپ کو مخاطب کر کے کہے تھے ۔

اے آقائے مکی و مدنی کی محبت کا دم بھرنے والو دیکھو ! یہ تھی وہ رُوح جس رُوح کے ساتھ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اپنے محبوب آقاؐ کے ساتھ بے مثال محبت کی ۔ ان کے نزدیک اگر دنیا میں کوئی انسان زندہ رہنے کا حق رکھتا تھا تو فقط وہ رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور ان کی وفات کے بعد انہیں کچھ بھی اس امر کی پرواہ نہ تھی کہ خطۂ ارض پہ آنے والے ہر زمانے کے تمام رسول ہزار دفعہ فوت ہو جائیں ۔ لیکن ہمارے ان کرم فرما علماء کو بھی ذرا دیکھو کہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مارے دیتے ہیں اور مسیح ناصریؑ کی زندگی کے کیسے

خواہاں ہیں! ہاں اسی کی زندگی کے خواہاں ہیں۔ کہ جس کی زندگی خود انہی کے عقائد ان کے دل و جان سے عزیز نظریات اور تمناؤں کی موت ہے۔ ہاں اس کی زندگی کے خواہاں ہیں کہ جس کی زندگی کے باطل تصور نے دُنیا کو شرق سے تا غرب شرک سے بھر دیا ہے، اور عیسائیت کے مقابل پہ اسلام کو محض بے دست و پا کر رکھا ہے۔

آخر میں لدھیانوی صاحب کو ہمارا ہمدردانہ مشورہ ہے کہ جس عیسیٰ کو آپ دلائل کی رو سے آسمان پر چڑھانے میں بُری طرح ناکام رہے ہیں عملاً اسے زمین پہ اتارنے میں بھی کلیتہً ناکام رہے ہیں۔ پس اگر آپ کی یہ دعا قبول نہیں ہوتی کہ اے اللہ پُرانے عیسیٰ کو ہی آسمان سے بھیج دے تو اب یہی دعا کیجیے کہ خدا تعالےٰ آپ کو وہ موت دے جس کے معنے بقول آپ کے زندہ آسمان پر چلے جانا ہے۔

عیسیٰ آسمان سے اتریں یا نہ اتریں جس دن آپ آسمان پر چڑھ گئے تب بے شک آپ کے مرید ہم پر حجت کرنے کا حق رکھیں گے۔ اور جب تک ایسا نہیں ہوتا آپ ہم سے اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے مجاز نہیں رہے۔

“WA LA KIN SHUBBEHA LA HUM

“..... AND THEY ARE CERTAINLY IN A STATE OF DOUBT ABOUT IT ......”

This is a refutation of a number of allegations made by Maulana Mohamad Yusuf Ludhianvi Sahib in his booklet entitled “Answer to some doubts about the descent of Jesus from Heaven”.

The author examines in detail the arguments put forward by Maulana Sahib to support the contention that Jesus is alive in heaven. Quoting from the Holy Qur’an, the Hadith and various other authoritative sources, he demonstrates that in fact Jesus Christ has died a natural death and is NOT alive in heaven.